

پیش لفظ

(ش)

نواب میر یوسف علی خاں سالارجنگ مرحوم کا مشرقی کتب خانہ اپنے نوادرات کے لحاظ سے دنیا کے قیمتی کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس میں دکھنی اُردو کے اکثر ایسے مخطوطات بھی محفوظ ہیں جو دنیا کے کسی اور کتب خانہ میں موجود نہیں ہیں انکی اشاعت سے بارہویں صدی عیسوی سے لیکر سولھویں صدی عیسوی تک ہندوستان کی لسانی تحریکوں اور تہذیبی مضمرات پر گہری روشنی پڑ سکتی ہے۔

۱۹۳۵ء میں جبکہ ولی دکھنی کا دوصد سالہ یادگاری جشن منایا گیا تھا نواب سالارجنگ مرحوم نے محسوس فرمایا کہ دکھنی اُردو کے اِن نوادرات کو شائع کیا جائے، اس غرض کے لئے اپنی سرپرستی میں ایک کمیٹی "مجلسِ اشاعتِ دکھنی مخطوطات" قایم فرماکر اس اہم کام کے جملہ اخراجات کی ذمہ داری بھی قبول فرمائی۔ اس مجلس کے زیر اہتمام نواب صاحب کے انتقال تک حسب ذیل کتب شائع کی گئیں:۔

(۱) کلیات محمد قلی قطب شاہ

(۲) کلیات شاہ سراج اورنگ آبادی

(۳) مثنوی سیف الملوک و بدیع الجمال (ملّا غواصی)

(۴) طوطی نامہ (ملّا غواصی)

(۵) کلام الملوک (شاہان بہمنی، قطب شاہی و عادل شاہی کا کلام)

(۶) پھول بن (ابن نشاطی)

(۷) قصۂ بے نظیر (صنعتی بیجاپوری)

ان کتابوں کی اشاعت سے اُردو کے معلّمین اور علماء کی دسترس میں بہت سا نیا مواد پہنچ گیا جس کا عام طور پر اعتراف بھی کیا گیا اور ان میں سے اکثر کتابیں ہندوستانی جامعات کے اُردو کے نصاب میں شریک کی گئیں۔

نواب سالار جنگ کے انتقال کے بعد مجلسِ اشاعتِ دکھنی مخطوطات کا کام ملتوی ہوگیا اور جو کتابیں زیر طبع تھیں ان کی تکمیل بھی نہ ہو سکی۔

۱۹۵۴ء میں سالار جنگ اسٹیٹ کمیٹی نے محسوس کیا کہ دکھنی مخطوطات کی اشاعت کا کام جاری رہنا ضروری ہے تاکہ جو کام نامکمل رہ گیا تھا اس کی تکمیل ہو جائے اور اور مزید کتب طبع ہو کر عوام کے استفادہ کے لئے منظر عام پر آجائیں۔ علاوہ ازیں عوام کو ان کتابوں سے وسیع تر استفادہ کے مواقع بہم پہنچانے کی خاطر کمیٹی نے یہ طے کیا کہ

ان کتابوں کو دیوناگری رسم خط میں بھی شائع کیا جائے اور حکومت ہند سے خواہش کیجائے کہ
اس کام کی تکمیل کے لئے مناسب عطیہ منظور فرمائے، چنانچہ حسبہٗ حکومت ہند کے ملاحظے
کے لئے ایک تحریک روانہ کی گئی۔ اسی اثناء میں ڈاکٹر بی رام کرشنا راؤ صاحب سابق چیف منسٹر
حیدرآباد نے خواہش ظاہر فرمائی کہ اس خصوص میں دکھنی پرکاشن سمیتی کے تعاون سے ایک
جائنٹ بورڈ قایم کیا جائے جو ان کتابوں کی دونوں رسم خط میں طباعت سے متعلق
مناسب طریقہ پر نگرانی کرے۔

بنابرآں راقم کی صدارت میں ایک جائنٹ بورڈ قایم کیا گیا جس میں نواب
اعظم جنگ بہادر اور پروفیسر حسین علی خاں مرحوم بھی شریک تھے اور ڈاکٹر ویملا داگھرے
(شریمتی ویملا دن) معتمد تھیں۔ بحالت موجودہ جائنٹ بورڈ کے اراکین کے نام درج ذیل ہیں:۔

۱۔ مسٹر ایل۔ این گپتا

۲۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور

۳۔ پروفیسر عبدالقادر سروری

۴۔ پروفیسر عبدالمجید صدیقی

۵۔ پنڈت ونشی دھر ودیالنکار

۶۔ مسٹر سید محمد

۷۔ پروفیسر ہارون خاں شیروانی

۸ ۔ مسٹر میر سعادت علی

۹ ۔ ڈاکٹر راج کشور پانڈے

۱۰ ۔ مسٹر گوپال راؤ اپسنگھی کر

۱۱ ۔ مسٹر خواجہ حمید الدین شاہد

۱۲ ۔ مسٹر محمد عبدالوہاب معتمد و خازن اعزازی

۱۳ ۔ مسٹر سریواس لاہوٹی شریک معتمد

حکومت ہند سے پانچہزار روپیہ کا عطیہ منظور فرمایا اور حکومت حیدرآباد کیجانب سے دو ہزار پانچسو روپیہ بتوسط دکنی پرکاشن سمیتی وصول ہوئے اور دو ہزار پانچسو روپیہ سالار جنگ اسٹیٹ کمیٹی نے منظور کئے۔ اس طرح دس ہزار روپیہ کے سرمایہ سے طباعت کا کام آغاز ہوا ہے اور زیر بحث کتاب بھی اسی سرمایہ سے طبع ہوئی ہے۔ توقع ہے کہ ارکان جائینٹ بورڈ کے تعاون سے اس مہتم بالشان کام کی تکمیل ہوگی اور آئندہ مزید رقوم کی منظوری کے بعد زیادہ سے زیادہ کتابیں طبع ہوتی جائیں گی فقط

مہدی نواز جنگ

مقدمہ

لالہ لچھمی نارائن شفیق کھتری ہندو تھے۔ ان کے آبا و اجداد لاہور کے رہنے والے تھے۔ جب اورنگ زیب عالمگیر نے دکن پر چڑھائی کی تو ان کے دادا لالہ بھوانی داس نے بھی مغل فوج کے ساتھ آکر اورنگ آباد خجستہ بنیاد میں مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی تھی۔ شفیق کے والد لالہ منسارام حضرت آصفجاہِ اوّل کے پیشکار تھے۔ دکن کے (۶) صوبے ان کی نگرانی میں تھے۔ ان کی وفاداری پر نظام الملک آصفجاہ کو بڑا اعتماد تھا۔ ۱۱۷۵ھ میں لالہ منسارام نے ایک کتاب "قانونِ دربارِ آصفی" لکھی جو چھپ چکی ہے۔ اس کتاب کا دوسرا نام "ضابطہائے حضور پُر نور" بھی ہے، جس میں نظم و نسق کے اصول اور دربارِ شاہی کے آداب درج ہیں۔ ۱۲۰۰ھ میں انھوں نے ایک اور کتاب "مآثرِ نظامی" کے نام سے آصف جاہ اوّل کے عہد کی ایک تاریخ لکھی تھی جو اب تک طبع نہیں ہوئی ہے۔ اِس کتاب کا ایک ٹائپ شدہ نسخہ کتب خانۂ آصفیہ میں موجود ہے۔

لالہ لچھمی نارائن شفیق ۲ صفر ۱۱۵۸ھ کو اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ (۱۱) سال

کی عمر سے شعر کہنے لگے تھے۔ میر عبد القادر مہربان ان کے پہلے اُستاد تھے جنہوں نے ان کو صاحب کا تخلص عطا کیا۔ انھوں نے دو ہزار اشعار کا ایک دیوان بھی مرتب کر لیا تھا لیکن یہ ان کی ابتدائی مشق کا سرمایۂ کلام تھا۔ جب ان کی عمر اٹھارہ برس کی ہوئی اور ان کی علمی استعداد و شاعرانہ صلاحیتوں میں اضافہ ہوا تو انھوں نے اس کلام کو تقویمِ پارینہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ اس دَور کے ایک بہت بڑے عالم، مورخ اور شاعر میر غلام علی آزادؔ بلگرامی سے شاعری اور دیگر علوم میں فیض حاصل کیا۔ جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ فارسی کے ایک شاعر میر محمد مسیح کا تخلص بھی صاحبؔ ہے تو انھوں نے اپنے اُستاد آزادؔ بلگرامی سے نئے تخلص کی التجا کی۔ چنانچہ آزادؔ نے ازراہِ شفقت شفیقؔ تخلص عنایت فرمایا۔ اس نئے تخلص کی تاریخ خود شفیقؔ نے "تخلصِ نو" نکالی ہے جس کے اعداد سے ۱۱۷۶ھ برآمد ہوتے ہیں۔ شفیقؔ نے ایک قطعہ تاریخ بھی لکھا جو یہ ہے ؎

از حضرتِ فیض بخشِ آزادؔ گردید مرا تخلص انعام
تاریخ بہ اہلِ بزم گفتم "امداد شفیقؔ شد مرا نام"
۱۱۷۶ھ

شفیقؔ تخلص فارسی کلام ہی کے لیے مختص رہا۔ ان کی اُردو غزلوں میں صاحبؔ تخلص استعمال ہوا ہے لیکن بہت کم لوگ اس تخلص سے ان کو جانتے ہیں۔ البتہ

شفیق ان کے نام کا جزو بن گیا۔ اور وہ لچھمی نارائن شفیق کے نام اور تخلص ہی سے مشہور ہوئے۔

شفیق نے اپنی زندگی ہی میں اُردو اور فارسی کلام کے دو ضخیم دیوان مرتب کرلیے تھے جو ابھی تک زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکے۔ وہ بڑے پُرگو شاعر تھے۔ زبان و بیان پر انھیں پوری قدرت حاصل تھی۔ وہ فنِ شاعری کے رموز و نکات سے بخوبی واقف تھے۔ کوئی صنفِ سخن ایسی نہیں جس پر شفیق نے طبع آزمائی نہ کی ہو۔ ان کی غزل گوئی کے رنگ کا اندازہ ان اشعار سے بخوبی ہو سکتا ہے

آبِ حیات حق میں سخن گو کے ہے سخن   باقی ہے میرے بعد بھی یادگار کچھ

مرے سے وعدہ کر کے پھر مکرنا   تری باتیں بنانے کے تصدق

مرا دِل لینے ہی تک آشنا تھا   ترے آنکھیں پھرانے کے تصدق

بہار آئی جنوں نے سر اُٹھایا ہے خدا حافظ   نسیم صبح نے دِل کو ستایا ہے خدا حافظ

غزلوں کے علاوہ انھوں نے قصیدے، مثنویاں، شہر آشوب، واسوخت، مخمس، مثلث، رباعیات اور تضمینیں بھی لکھی ہیں۔ شفیق فارسی زبان کے ایک بلند پایہ انشاء پرداز، تذکرہ نویس اور مورخ بھی تھے۔ ان کی فارسی نثر کی تصانیف خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ وہ اپنے دور کے بہت بڑے ادیب اور شاعر تھے۔

(۱) چمنستان شعراء۔ اُردو شاعروں کا ایک تفصیلی تذکرہ ہے جو ۱۱۷۵ھ میں لکھا گیا۔ اس میں اُردو زبان کے (۲۱۸) شاعروں کے حالات اور کلام پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

(۲) گلِ رعنا۔ ہندو اور مسلمان فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے جو ۱۱۸۱ھ میں مرتب کیا گیا تھا۔

(۳) شامِ غریباں۔ اُن ایرانی شاعروں کا تذکرہ ہے جو ہندوستان میں آکر بس گئے تھے۔

(۴) تنمیق شگرف۔ سنہ ۱۲۰۰ھ کی تالیف ہے جس میں مختلف صوبوں کے تاریخی و جغرافی حالات اور اعداد و شمار درج ہیں تاریخِ فرشتہ کے حوالہ سے سلاطینِ بہمنیہ کا بھی ذکر ہے اور آخر میں سلاطینِ تیموریہ کا مختصر احوال ہے۔ یہ کتاب حیدر آباد دکن کے ریذیڈنٹ مسٹر رچرڈ جانسن کے نام سے معنون کی گئی ہے۔

(۵) حقیقت ہائے ہندوستان۔ اس میں ہندوستان کے قدیم دفتروں کے گوشوارے اور دکن کے صوبوں کے حالات اور ہندوستان کے بادشاہوں کے مختصر حالات درج ہیں۔ یہ کتاب سنہ ۱۲۰۴ھ میں مرتب کی گئی تھی۔

(۶) مآثرِ آصفی۔ سنہ ۱۲۰۵ھ میں لکھی گئی۔ اس میں آصف جاہِ اوّل سے لے کر آصف جاہ ثانی تک کے عہد کی تاریخ قلمبند کر دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ امیروں اور

راجاؤں کے حالات بھی بیان کئے گئے ہیں۔

(۷) حالاتِ حیدر آباد۔ ۱۲۱۴ھ میں بلدہ حیدر آباد کی مسجدوں، محلّوں، باغوں اور دوسری عمارتوں کا مختصر احوال لکھا گیا ہے۔

(۸) بساط الغنائم۔ ۱۲۱۴ھ کی تالیف ہے جس میں مرہٹوں کی تاریخ جنگ پانی پت تک لکھی گئی ہے۔ کتاب (۱۲) ابواب پر مشتمل ہے اور سر جان ملکم کی فرمائش پر لکھی گئی جو اُس زمانے میں حیدر آباد میں مقیم تھے۔

عبدالجبار خاں ملکاپوری مصنف تذکرہ محبوب الزمن نے مآثر حیدری، مراۃ الہند، نخلستان اور تذکرہ گرونانک کو شفیقؔ کی تصنیفات میں شامل کیا ہے۔ ان ہی کے بیان کے مطابق شفیقؔ صمصام الدولہ کی وساطت سے منصب اور خطاب دولی چند سے سرفراز ہوئے۔

لالہ لچھمی نارائن شفیقؔ بڑے آزاد خیال اور رند مشرب انسان تھے۔ اِن کی شخصیت ہندو مسلم تہذیب کا سنگم تھی۔ وہ ہندوستان کے اُس گنگا جمنی تمدن کی یادگار تھے جو اب بڑی تیزی کے ساتھ مِٹتا جا رہا ہے۔ شرافتِ نفس، وسیع المشربی اور اعلیٰ اخلاقی معیار کا وہ مکمل نمونہ تھے۔ ان کی تصانیف کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے دل میں ہر مذہب و ملّت

کے بزرگوں کی عقیدت جاگزیں تھی۔ اس حیثیت سے وہ اپنے دور کے ایک سچّے ہندوستانی اور محبِ قوم و وطن تھے۔ شفیق کو اپنے استاد آزاد بلگرامی سے بڑی عقیدت تھی۔ اپنی کتابوں میں ان کا ذکر بڑے ادب و احترام سے کیا ہے۔ میر صاحب قبلہ، پیر و مرشد اور قبلہ و کعبہ برحق سے مخاطب کیا ہے۔ ان کی شان میں ایک قصیدہ بھی لکھا جس کے چند شعر یہ ہیں ؎

یعنی وہ حضرت آزاد کہ خورشید و قمر
آستاں اس کے پہ رکھتے ہیں جبیں فرسائی

قبلۂ ہر دو جہاں مرشد اربابِ سلوک
ختم ہے ذات مبارک پہ کرم فرمائی

نگہۂ لطف مرے پر ہے ہمیشہ مبذول
مجھ کو زیبا ہے غلامی، اسے ہے آقائی

شفیق نے ایک پوری غزل آزاد بلگرامی کی تعریف و توصیف میں کہی ہے جس کے دو شعر یہاں درج کیے جاتے ہیں ؎

ایک دم میں دین و دُنیا بخش دے
جس کے اوپر مہرباں آزاد ہے

دل سے اب صاحب ہوا ہے گا غلام
بادشاہِ انس و جاں آزاد ہے

شفیق نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے ساتھ اورنگ آباد سے حیدر آباد میں منتقل ہو گئے تھے۔ یہاں وہ عہدۂ نظارت پر مامور تھے۔ ان کو ابتدا میں اہلِ حیدر آباد پسند نہ آئے۔ چنانچہ انھوں نے ایک مثنوی میں شہر حیدر آباد کے

مختلف اہلِ پیشہ کی ہجو لکھی ہے۔ مشائخین کے بارے میں ان کے تاثرات ملاحظہ ہوں۔

پیرزادانِ حیدرآبادی ہمہ فرعونی اند و شدادی

نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے فرزند نواب میر احمد خان عالی جاہ امیر الامرا اسد الملک اسعد الدولہ نصرت جنگ بڑے علم دوست اور شاعر نواز تھے خواجہ غلام حسین خان زماں خاں نے اپنی تاریخ گلزارِ آصفیہ کے صفحہ (۹۱) پر ان کے بارے میں اس طرح اظہارِ خیال کیا ہے:-

"عالی جاہ بڑے علم دوست تھے۔ ہمیشہ علماء و فضلاء کی صحبت گرم رہتی تھی۔ ۱۲۰۹ھ میں ان کو زہر دیا گیا اور وفات پائی۔" چار مینار سے تھوڑی دور مشرق کی طرف ایک محلہ ان ہی عالی جاہ کے نام سے "عالی جاہ کا کوٹلہ" مشہور ہے۔ اسی مقام پر ان کی حویلی تھی۔ عالی جاہ علم و فضل اور فنونِ لطیفہ کے بڑے قدردان تھے۔ قدیم زمانے کی کتابوں اور تصویروں کا بیش بہا ذخیرہ انھوں نے جمع کر لیا تھا۔ تصویروں کے بارے میں انھوں نے لچھمی نارائن شفیقؔ سے یہ خواہش کی تھی کہ وہ ہر تصویر سے متعلق اشعار اور نظمیں لکھ دیں۔ چنانچہ عالی جاہ کے دیوان خانے میں ہر تصویر کے ساتھ شفیقؔ کا کلام بھی آویزاں کیا گیا تھا۔ جب تک عالی جاہ زندہ رہے شفیقؔ اور دوسرے متوسلین بڑے عیش و آرام میں رہے لیکن

کے بزرگوں کی عقیدت جاگزیں تھی۔ اس حیثیت سے وہ اپنے دور کے ایک سچے ہندوستانی اور محبِ قوم و وطن تھے۔ شفیق کو اپنے اُستاد آزاد بلگرامی سے بڑی عقیدت تھی۔ اپنی کتابوں میں ان کا ذکر بڑے ادب و احترام سے کیا ہے۔ میر صاحب قبلہ، پیر و مرشد اور قبلہ و کعبہ برحق سے مخاطب کیا ہے۔ ان کی شان میں ایک قصیدہ بھی لکھا جس کے چند شعر یہ ہیں ؎

یعنی وہ حضرت آزاد کہ خورشید و قمر   آستاں اس کے پہ رکھتے ہیں جبیں فرسائی
قبلۂ ہر دو جہاں مرشد اربابِ سلوک   ختم ہے ذاتِ مبارک پہ کرم فرمائی
نگہۂ لطف مرے پر ہے ہمیشہ مبذول   مجھ کو زیبا ہے غلامی، اسے ہے آقائی

شفیق نے ایک پوری غزل آزاد بلگرامی کی تعریف و توصیف میں کہی ہے جس کے دو شعر یہاں درج کئے جاتے ہیں ؎

ایک دم میں دین و دُنیا بخش دے   جس کے اوپر مہرباں آزاد ہے
دل سے اب صاحب ہوا ہے گا غلام   بادشاہِ انس و جاں آزاد ہے

شفیق نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے ساتھ اورنگ آباد سے حیدر آباد میں منتقل ہو گئے تھے۔ یہاں وہ عہدۂ نظارت پر مامور تھے۔ ان کو ابتداءً میں اہلِ حیدر آباد پسند نہ آئے۔ چنانچہ انھوں نے ایک مثنوی میں شہر حیدر آباد کے

مختلف اہلِ پیشہ کی ہجو لکھی ہے۔ مشائخین کے بارے میں ان کے تاثرات ملاحظہ ہوں۔

پیر زادانِ حیدرآبادی ہمہ فرعونی اند و شدادی

نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے فرزند نواب میر احمد خان عالی جاہ امیر الامرا اسد الملک اسعد الدولہ نصرت جنگ بڑے علم دوست اور شاعر نواز تھے خواجہ غلام حسین خان زماں خاں نے اپنی تاریخ گلزار آصفیہ کے صفحہ (۹۱) پر ان کے بارے میں اس طرح اظہارِ خیال کیا ہے:-

"عالی جاہ بڑے علم دوست تھے۔ ہمیشہ علماء و فضلاء کی صحبت گرم رہتی تھی۔ ۱۲۰۹ھ میں ان کو زہر دیا گیا اور وفات پائی۔" چار مینار سے تھوڑی دور مشرق کی طرف ایک محلّہ ان ہی عالی جاہ کے نام سے "عالی جاہ کا کوٹلہ" مشہور ہے۔ اسی مقام پر ان کی حویلی تھی۔ عالی جاہ علم و فضل اور فنون لطیفہ کے بڑے قدردان تھے۔ قدیم زمانے کی کتابوں اور تصویروں کا بیش بہا ذخیرہ انھوں نے جمع کر لیا تھا۔ تصویروں کے بارے میں انھوں نے لچھمی نارائن شفیقؔ سے یہ خواہش کی تھی کہ وہ ہر تصویر سے متعلق اشعار اور نظمیں لکھ دیں۔ چنانچہ عالی جاہ کے دیوان خانے میں ہر تصویر کے ساتھ شفیقؔ کا کلام بھی آویزاں کیا گیا تھا۔ جب تک عالی جاہؔ زندہ رہے شفیقؔ اور دوسرے متوسلین بڑے عیش و آرام میں رہے لیکن

ان کی وفات کے بعد ان کا کتب خانہ، تصویر خانہ اور فنونِ لطیفہ کے شاہکار پراگندہ اور ان کے مصاحب و متوسل شعرا معتوب اور تباہ حال ہو گئے۔

چونکہ شفیق عالی جاہ کے متوسلین میں سے تھے اس لیے ان کی مدح میں کئی قصیدے لکھے۔ ایک قصیدے کے چند شعر یہ ہیں ؎

یک قوی دل ہے میرا پُشت و پناہ | یک زبردست ہے مرا والی
یوں عیاں جس طرح سفید و سیاہ | حق و باطل ہے سامنے جس کے
اسد الملک حضرت عالی جاہ | یعنی نواب میر احمد خاں
جد ہے جس کا جناب آصف جاہ | باپ جس کا نظام دولت و دیں

غزلوں اور قصیدوں کے علاوہ شفیقؔ نے کئی مثنویاں بھی لکھی ہیں جن میں سب سے زیادہ اہم مثنوی "تصویرِ جاناں" ہے۔ اس میں شفیقؔ نے معشوق کا سراپا کھینچنے میں اپنا پورا زورِ کمال دکھایا ہے۔ یہ معرکتہ الآرا مثنوی شفیق نے سنہ ۱۱۸۸ھ میں لکھی۔ چنانچہ مثنوی کے آخری حصّے کے ایک شعر میں سنہ تصنیف کا اس طرح اظہار کیا ہے ؎

ہزار اور ایک سو اسی ہیں اور آٹھ | کہ باندھا اس عمارت کا تو میں ٹھاٹھ

مثنوی کے آخری اشعار میں مثنوی کے نام "تصویرِ جاناں" میں "شہید ناز" کے

اضافہ سے تاریخ نکالی ہے ؎

ہوا جس وقت میں اتمام اس کا — رکھا "تصویرِ جاناں" نام اس کا
۸۱۱

"شہیدِ ناز" جب مل جائے اس سے — سنہ ہجری کو تب تو پائے اس سے
۳۷۷ — ۸۱۱ + ۳۷۷ = ۱۱۸۸ھ

اس مثنوی کے مطالعے کے بعد شفیقؔ کی قادر الکلامی اور کمالِ فن کا اندازہ ہوتا ہے۔ اُردو کے اکثر شاعروں نے معشوق کا سراپا لکھا ہے اور یہ موضوع اتنا پامال ہو چکا تھا کہ اب اس میں جدّت پیدا کرنے کی کوئی گنجائش نہ رہی تھی لیکن شفیقؔ نے سراپا کھینچنے میں وہ کمال کیا کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ شفیقؔ کے سنہ وفات کا اب تک کسی کو علم نہ ہو سکا تھا۔ جن اصحاب نے بھی شفیقؔ کے بارے میں لکھا ہے اس کے صحیح سنہ وفات سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہے اور صرف یہ لکھ کر سکوت اختیار کیا کہ غالباً ۱۲۱۵ھ کے بعد شفیقؔ کا انتقال ہوا۔ خالدہ بیگم صاحبہ ایم اے نے اورنگ آباد کے شاعروں پر پی ایچ ڈی کے لئے مقالہ لکھا ہے اس میں شفیقؔ کے سنہ وفات کے بارے میں تحریر فرماتی ہیں:-

"غلام مصطفےٰ سخنؔ اورنگ آبادی شفیقؔ سے اصلاحِ سخن لیتے تھے۔ انھوں نے اپنے دیوان کے آخر میں چند تاریخی قطعات لکھے ہیں۔ سخنؔ کے دیوان کا مخطوطہ حیدرآباد سنٹرل لائبریری (کتب خانہ آصفیہ) میں محفوظ ہے جس میں شفیقؔ کی رحلت پر یہ قطعۂ تاریخ درج ہے:-

استادِ شفیقؔ من افسوس | از سپنجی سرائے فانی رفت
روئے دل از کسے نمی بینم | مایۂ لطف و مہربانی رفت
از حلاوت گزشت نظم و نثر | نمک از شعر و شعر خوانی رفت
سالِ رحلت رقم نمود سخن | وائے مشاطۂ معانی رفت ۱۲۲۳ھ

شفیقؔ کی مثنوی "تصویرِ جاناں" آج سے (۹۰) سال پہلے لکھی جاچکی تھی اور اکثر تذکرہ نگاروں نے شفیقؔ کی تصنیفات میں اس کا بھی ذکر کیا ہے لیکن ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب یہ معلوم ہوا کہ یہ مثنوی اب تک کتابی صورت میں شائع نہیں ہوئی۔ راقم الحروف کو آج سے تقریباً چار سال پہلے اس مثنوی کا ایک ٹائپ شدہ نسخہ جو فل اسکیپ کے (۴۳) صفحات پر مشتمل ہے، سپرو اکیڈمی الہ آباد کی طرف سے اس غرض کے لیے دیا گیا تھا کہ میں اسے ناگری رسمِ خط میں منتقل کر دوں۔ چنانچہ میں نے (۱۳) صفحات تک اس کو ناگری رسمِ خط میں منتقل بھی کر دیا تھا۔ پھر میں اپنی مصروفیت کی وجہ سے اس کام کو آگے نہ بڑھا سکا اور نہ سپرو اکیڈمی الہ آباد کی طرف سے اس بارے میں یاد دہی کی گئی۔ اس طرح یہ کام ادھورا ہی رہ گیا تھا۔

اس مثنوی کی ترتیب کا کام شروع کرنے سے پہلے مجھے نواب سالار جنگ

مرحوم کے مشرقی کتب خانے میں اس کے ایک مخطوطہ کا پتہ چلا۔ میں نے ٹائپ شدہ مثنوی کا اس مخطوطے سے مقابلہ کر کے جہاں جہاں اختلاف پایا گیا اس کی تصحیح کر دی۔ بعض اشعار آگے پیچھے ہو گئے تھے ان کو ٹھیک کیا گیا۔ اس مخطوطے میں پانچ ایسے اشعار بھی ملے جو ٹائپ شدہ نسخے میں نہیں تھے اس لیے اُن کو مثنوی میں متعلقہ عنوانات کے تحت شامل کر لیا گیا۔ وہ اشعار یہ ہیں ؎

عنوان

تمہید — نگہ جاتی نہ تھی مژگاں سے آگے | نہ دیتی تھی سیاہی اس کو جاگے

سراپا — اگر کوئی ہات کو اون پر پھراوے | تو موتی چور کے لڈو سے پاوے

پوشاک — اگر پہرے قبائے آسمانی | تو ہو جاوے بلائے آسمانی

بیانِ مقصود — نظر گویا کو ناظر کو بیاں نیں | زباں کو آنکھیں آنکھوں کو زباں نیں

یہ وو ہیگی عجوزہ سخت بدکار | کہ ہیں اوس کے ہزاروں سے طلب گار

اس مخطوطے کے جملہ اوراق (۲۴) ہیں اور (۹×۶) انچ کی تختی پر لکھا گیا ہے۔ ہر صفحے پر (۲۱) اشعار درج ہیں۔ خط شکستہ اور دیسی کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔ مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی نے نواب سالار جنگ مرحوم کے مشرقی کتب خانے کے مخطوطات کی جو فہرست مرتب کی ہے اس میں نمبر (۵۱) پر اس کا تفصیلی ذکر موجود

ہے۔ اس مخطوطے کی کتابت پنجم جمادی الثانی سنہ ۱۲۴۰ھ میں ہوئی ہے یعنی شفیق کے انتقال سے (۱۷) سال بعد۔

جب اس مثنوی کی طباعت مکمل ہوگئی اور میں اس کا مقدمہ بھی لکھ چکا تو مجھے اس بات کا پتہ چلا کہ آج سے تقریباً (۲۹) سال پہلے حیدرآباد کے مشہور محقق اور دکنی زبان کے قدیم خدمت گزار مولوی ابو عمر صاحب یافعی نے اس مثنوی کو اپنے مبسوط مقدمے کے ساتھ حیدرآباد کے سہ ماہی رسالہ تجلّی جلد (۲) بابت جنوری ۱۹۲۸ء میں شائع کرایا ہے۔ رسالہ تجلّی حیدرآباد کے ایک قدیم صحافی مولوی محمد سردار علی مرحوم کی ادارت میں کتب خانہ مسجدِ چوک حیدرآباد دکن سے شائع ہوتا تھا۔ بڑی تلاش و جستجو کے بعد مجھے رسالہ تجلّی کا یہ شمارہ دستیاب ہوا۔ مولوی ابو عمر یافعی صاحب نے بڑی تفصیل سے شفیق کے حالات، تصانیف اور مثنوی کے بارے میں اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ کاش یہ مضمون چند دن پہلے مل جاتا اور مجھے مثنوی کے مرتب کرنے اور مقدمہ لکھنے میں بڑی مدد ملتی۔

مثنوی تصویر جاناں کے بارے میں مجھے کچھ کہنا نہیں ہے خود پڑھنے والے اس کی خوبیوں اور شاعر کے کمالِ فن کا اندازہ لگا سکتے ہیں البتہ اس مثنوی کے اہم اجزاء سے متعلق چند باتیں عرض کرنا ضروری ہیں۔ یہ مثنوی (۲۸۰۰) اشعار پر مشتمل ہے جس کو شفیق نے

حسبِ ذیل (۶) عنوانوں پر تقسیم کیا ہے :-

تمہید	سراپا	بیانِ پوشاک	بیانِ مقصود	نقل	اصل قصہ
(۱۲۱)	(۳۴۲)	(۵۰)	(۹۸)	(۸۴)	(۳۴۳) اشعار

مولوی ابو عمر یافعی صاحب نے رسالہ "تجلّی" میں اس مثنوی کے جملہ اشعار کی تعداد (۲۷،) بتائی ہے مگر انھوں نے صرف (۲۶،) اشعر دیئے ہیں۔ اس طرح اصل مثنوی کے دو اشعار کم درج ہیں۔ غالباً اس مثنوی کے یہ دو اشعار یافعی صاحب کی نظر سے نہیں گزرے۔

وہ دو اشعار یہ ہیں :-

تمہید کا چودھواں شعر

نگہ جاتی نہ تھی مژگاں سے آگے | نہ دیتی تھی سیاہی اس کو جاگے

سراپا کا (۲۹۵) واں شعر

اگر کوئی ہات گاون پر پھراوے | تو موتی چور کے لڈو سے پاوے

"تصویرِ جاناں" ایک لحاظ سے عشقیہ مثنوی ہے جس میں شاعر نے اپنی واردات عشق "درحدیثِ دیگراں" کے انداز میں بیان کی ہے حالانکہ شاعر کا مقصد اس مثنوی میں صرف اپنے محبوب کا سراپا دکھانا تھا اور وہ اپنے اس مقصد میں نہ صرف کامیاب ہوا بلکہ اپنے شاعرانہ کمال اور قدرتِ بیان کا پورا پورا ثبوت دیا ہے

یہ مثنوی اب تک کتابی صورت میں شائع نہیں ہوئی تھی۔ مجلسِ اشاعت دکنی مخطوطات اور دکنی ساہتیہ سمیتی کے مشترکہ بورڈ کی توجہ اور بالخصوص اس کے صدر نواب مہدی نواز جنگ بہادر وزیرِ طبابت آندھرا پردیش کی ذاتی دلچسپی سے شائع ہو کر منظرِ عام پر آرہی ہے۔ نواب صاحب موصوف کی ہدایت پر مثنوی کے مشکل الفاظ کے نیچے معنی بھی لکھ دئیے گئے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو اشعار کا مطلب سمجھنے میں کوئی دِقّت پیش نہ آئے۔ شری کنول پرشاد کنول بی اے (عثمانیہ) نے اس مثنوی کو ناگری رسم خط میں منتقل کیا ہے مجھے یقین ہے کہ اردو اور ہندی کے پریمی اس مثنوی کو شفیق کی زبان میں "اپنی روح کا چارہ اور بہارِ عمر" پائیں گے۔

جب میں نے اس مثنوی کو مرتب کر لیا تو میرے محترم ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زورؔ معتمد ادارۂ ادبیاتِ اردو نے اس کی نظرِ ثانی کی زحمت گوارا فرمائی جس کے لیے میں ان کا بے حد ممنون ہوں فقط

(۳۶۷) کاچی گوڑہ حیدرآباد (آندھرا پردیش) ۱۰ ر اپریل ۱۹۵۶ء

خواجہ حمید الدین شاہد

مثنوی

تصویرِ جاناں

سنو اے حُسن کے تصویر سازو — سنو اے عشق کے جادو طرازو

ٹک (ذرا) اک دل دے کے صاحب کا فسانہ — کنے فن عاشقی میں ہے یگانہ

مری اک رات کے تئیں نیند اُچٹ گئی — صفِ خواب آنکھوں کے آگے سے ہٹ گئی

کہوں کیا کس قدر تاریک تھی رات — جہاں اوپر پڑی تھی آ کے ظلمات

ڈراتی تھی مجھے وہ رین (رات) سُونی — اماوس اور گھٹا تنہائی دونی

جہاں سنسان سارا ہو رہا تھا — سب عالم اپنی سُدھ بُدھ کھو رہا تھا

نہیں آتی تھی تب آوازِ گھڑیال — نہ تھا معلوم گھڑیالی (گھنٹہ بجانے والا) کا احوال

مگر وہ جان کندن کی گھڑی تھی — کٹوری عمر کی اس کے بھری تھی

گئی تھی ظاہرا گھڑیال تب پھوٹ — بجانے کی گئی تھی موگری (گھنٹہ بجانے کا آلہ) ٹوٹ

نہ تھا چلنے سے خورشیدِ جہاں گرد — ہوا تھا آسماں پہ ماہ بھی سرد

چھپے تھے ابر میں ایسے ستارے — دبیں جیوں راکھ کے اندر انگارے

قیامت کے سُنے تھے دن کی ہم بات ‎ ‎ نظر آئی قیامت کی تو وہ رات
نہایت سخت تھی وہ رات کالی ‎ ‎ نظر آتی تھی جی کی لینے والی
نگہ جاتی نہ تھی مژگاں سے آگے ‎ ‎ نہ دیتی تھی سیاہی اس کو جاگے
ادھر بجلی جدی شدت سے کوندے ‎ ‎ اُدھر بدلی جدی (الگ) چھاتی کو روندے
نہیں تھی انتہا اس رات کے تئیں ‎ ‎ کہیں بھی انت (انتہا) ہے ظلمات کے تئیں؟
یہ دنیا ایسی ظلمت سے بھری تھی ‎ ‎ گویا کاجل بھری اک کوٹھڑی تھی
نپٹ ظلمت سے یوں تنگ آسماں تھا ‎ ‎ گویا سرمہ بھرا اک سُرمہ داں تھا
غرض تنہا میں اپنے گھر کے اندر ‎ ‎ تڑپتا سخت تھا بستر کے اوپر
کبھی چرخِ بریں کو دیکھتا تھا ‎ ‎ کبھی فرشِ زمیں کو دیکھتا تھا
مرے خطرہ کو زیرِ عرش جا تھی ‎ ‎ کمندِ فکر کرسی تک رسا تھی
بیاباں کے کبھی میں غور میں تھا ‎ ‎ کبھی دریا کے بہر و دَور میں تھا
کبھی فرہاد کی باتوں کی تھی فکر ‎ ‎ کبھی مجنوں کے تھا احوال کا ذکر
مجھے سارے جہاں سے انزوا (علیحدگی) تھا ‎ ‎ مری زانو پہ میرا سر نوا (جھکا ہوا) تھا
صدا زنجیر کی، دل بن رہا تھا ‎ ‎ کلی تصویر کی، دل بن رہا تھا
کوئی مجھ پاس تب محرم نہیں تھا ‎ ‎ بجز دل کے کوئی ہمدم نہیں تھا

وہیں آواز تب دستک کی آئی	مرے دل کے تئیں دھڑکے لگائی
کہ ایسی رات میں یاں کون آیا	کرم کر میرے گھر تشریف لایا
اٹھا بیتاب میں اور کھول کر در	نکل باہر میں دیکھوں کیا نظر کر
مری اس روح کا چارہ جو کوئی ہے	دل اور جان کا پیارا جو کوئی ہے
جو کوئی درد کا میرا دوا ہے	بہارِ عمر ہے سو آکھڑا ہے
نہایت شاد ہو میں اس کو لایا	بہت عزت سے اپنی جا بٹھایا
کہا میں نے کہ بیداری ہے یا خواب	کدھر نکلا ہے خورشیدِ جہاں تاب
توقع یہ نصیبوں سے کہاں ہے	چھلاوا ہے مگر یہ جانِ جاں ہے
مجھے جب اس نے پایا سخت حیراں	ہوا اپنی زباں سے گوہر افشاں
کہ اتنا بھی تعجب کا سبب کیا؟	رہے ہو دنگ اور ایسا عجب کیا؟
تمہارا میں وہی بندہ ہوں کمتر	کہ جس کے ہاں کرم کرتے ہو اکثر
تمہارے جذبے نے جوشش نے میرے	لے آئے آپ کے اس وقت ڈیرے
کمندِ جذبہ جس جا میں رسا ہے	وہاں نخچیر اب آکر پھنسا ہے
کہاں جادو میں ہے تسخیر ایسی	کہاں دعوت میں ہے تاثیر ایسی
کہاں جنتر ہے اور منتر کدھر ہے	جہاں دیکھو تو اس دل کو اثر ہے

کشش دل کی قیامت ہے بلا ہے — یہی کچھ کیمیا اور سیمیا ہے
اگر مجنوں طرف لیلیٰ نہ آوے — تو جذبہ کھینچ کر ناقے کو لاوے
غرض جس جائے ہے جذبہ کو تاثیر — تو پھر معشوق واں ہوتا ہے تسخیر
کہا میں واقعی ہے یہ تو گفتار — ولیکن اوّلاً سیماب کردار
جلا کر آپ کو جب خاک کیجے — تو پھر مس کو طلائے پاک کیجے
زباں زد یہ تو ہے مدّت سے سنی بات — پلاس اپنے لٹایا جب کہ سب پات
پھر اپنے مونھ کو کالا کر دکھایا — تب اس لالن کے لالے کو وہ پایا
نہیں دیکھا کہ پتھر ہو کے چورا — کلایا آپ کے تئیں جب کہ پورا
بنا شیشہ جو کتنی آنچ کھا کر — ہوا تب دخترِ رز کا تو وہ گھر
جلایا آپ کے تئیں جب کوہِ طور — ہوا آنکھوں میں تب خوبوں کی منظور
میاں ہم وہ ہیں گر صحرا میں جاویں — تو واں کے جانور ہم پاس آویں
ہمارے ساتھ وہ الفت کی باتیں — ہرن آ جیب (زبان) سے تلووں کو چاٹیں
کریں طاؤس سر پر چتر دُم کھول — بہت سا ناچیں گاویں لگ ہنڈول
اگر خوبوں کے ہم مجمع میں جاویں — کسی گُل رُو طرف دل کو لگاویں
کبھی دیکھیں ادھر جو آنکھ اٹھا کر — سلام آ کر کریں وہ سر نوا کر (جھکا کر)

غرض ہم سے نہ ہووے کوئی بے زار
رکھے سینے پہ جیسا پھول کا ہار

کہا تب اس نے کیوں افسردگی ہے
تمہارے دل کو کیوں پژمردگی ہے

خفا کس واسطے بیٹھے ہو صاحب
گرہ کے طور کیوں اینٹھے ہو صاحب

بھلا جس وقت میں تم سے جدا تھا
تمہارا تب خفا رہنا بجا تھا

مرا آنا تمہارے پاس اب ہے
پھر اب مغموم رہنا کیا سبب ہے

ہوا دل کش ہے تم مے کو منگاؤ
دو پیالے آپ پی اور مجھ پلاؤ

تفکر اور تردد کو کرو دور
نہیں ہے وصل میں یہ بات منظور

کرا از عاشقان ایں دست دادہ
کہ معشوقش بہ خدمت ایستادہ

سنا میں جب شکر لب سے یہ گفتار
تحیر سے ہوا میں نقش دیوار

کہا نیں ہے تعجب اے بت چیں
زباں سے تیری یہ الفاظ رنگیں

جفا جویوں سے غم خواری تعجب
دل آزاروں سے دلداری تعجب

تعجب ہے کہے گل حال بلبل
تعجب ہے اٹھے پیالے سے قلقل

کہیں منصف ستمگر کو نہ دیکھا
کہیں سوزن پہ خنجر کو نہ دیکھا

گدایوں کی خبر کیا شاہ کے تئیں
چکوروں کا کہاں غم ماہ کے تئیں

کہاں دلبر کو دلداروں کی پروا
کہاں معشوق کو عاشق کا سودا

ترے دل میں جو یہ دلداریاں ہیں　　تری باتیں نہایت پیاریاں ہیں
مبارک ہو ارے خوبوں کے سرتاج　　ہمارے من کی نگری کا تجھے راج
ترے میں سب طرح شرطِ وفا ہے　　تجھے خوبوں میں سرداری بجا ہے
تری آنکھوں کی تیری جان کی سوں　　ترے سر کی تو اس قرآن کی سوں
ترا جی چاہے سوگند اب دِلا لے　　جو دل مانے قسم ویسی کھلا لے
کہے تو جس طرح سوگند کھاؤں　　تو مانے جس میں سو ویسا مناؤں
ترے خنجر پہ مژگاں کے رکھوں جیب　　قسم کھاؤں بتا وے تو جو ترکیب
سیہ بختی ہماری کر کے منظور　　وہ آنکھوں میں رکھے کاجل کے دستور
ولے ہم کو دماغ و دل کہاں ہے　　ہماری خفگی عالم پر عیاں ہے
ترے شمشیرِ ابرو پر رکھوں ہات　　ترے اس مصحفِ رو پر رکھوں ہات
ترے آتش پہ رخ کی لب نے سروں میں　　تری زلفوں کی ناگن ہات لوں میں
کبھی مے سے کیا ہوں میں زباں تر؟　　الٰہی آبلے نکلیں زباں پر
اگر میں نے نشہ کچھ بھی پیا ہوں　　زباں سڑ جائے میری اور پکے موں
شراب اور بھنگ اور معجوں ہے یک سو　　نشہ کی شے نہ کھایا ہوں سر مو
خدا اس بات کا ہے خوب عالم　　کبھی میں نے نہ کھایا جوزِ سالم

تری آنکھوں سے میری ہے یہ ہستی
لبِ مے گوں سے ہے یہ مے پرستی

مرے شعروں میں جو ہے مے کی افواہ
یہ مے منظور نہیں واللہ باللہ

مجھے مے سے مراد اب اور مے ہے
وگر نہ یہ تو مے ادنیٰ سی شے ہے

شرابِ شوق ہے میرا تو بادہ
مجھے دل ہے پیالے سے زیادہ

مرا ساقی تو ہے ساقیٔ کوثر
غدیرِ خم سے خم ہے مجھ کو اکثر

اگرچہ میں نہیں پیتا ہوں مے کو
ولے تجھ کو پلاؤں جو پیئے تو

کروں شیشہ تیں دل آنکھیں پیالے
کہوں خونِ جگر میرا پیالے

بھلا سچ کہہ کدھر بھولا تو اب راہ
تو اور یہ دلبری اللہ اللہ

خدا جانے کہ کیا خاطر میں آیا
کہ تو نے جور سے اب ہات اٹھایا

نہیں ہے بے سبب یہ مہربانی
مفصّل مجھ سے کہہ اے یارِ جانی

سنا جب نازنیں نے یہ مرا قال
کہا کل مجھ پہ گزرا ہے عجب حال

لگا ہے ایک آنکھوں کا مجھے تیر
گیا ہے پار سینے سے جگر چیر

نیا میں دامِ الفت میں پھنسا ہوں
کسی کی زلفِ مشکیں میں کسا ہوں

پڑا جب عشق کا میرے پہ یہ جال
تمھارا تب ہوا معلوم احوال

کہ مدت سے مرے پر مبتلا ہو
ہمیشہ موردِ جور و جفا ہو

کبھی میں ایک دم بیٹھا نہ نزدیک　　دیا ہرگز نہ تم کو حُسن کی بھیک
تمھیں الفت، مجھے وحشت تھی تم سے　　تمھیں رغبت، مجھے نفرت تھی تم سے
جو اب گزری مصیبت میرے اوپر　　یہی گزرا مرے خاطر کے اندر
کروں خاطر تمھاری میں تو اب شاد　　کہ تا دیوے خدا بھی میری ٹک داد
تلافیٔ جفا ہے مجھ کو منظور　　کرو تم خاطر مغموم مسرور
مرے پر عشق کے ظاہر ہوئے ڈھنگ　　تمھارا اب ہوا ہوں میں تو ہم رنگ
توجہ تم کو لازم ہے مرے پر　　ہوا ہے حال میرا سخت ابتر
میں اس کی راہ پر با چشم تر ہوں　　میں ایسے طور جویائے خبر ہوں
نہایت انتظاری ہے تو یہ جان　　اگر اس وقت میں میرے سُنے کان
کہ لائی ہے صبا وہ بوئے پوشاک　　الٹ کر کان وہ ہیں تب بنے ناک
سنو یہ کیفیت مجھ سے مفصل　　گیا میں باغ کی گلگشت کو کل
تماشے واسطے تھا میں جو مائل　　یکایک شام کوں میرے مقابل
نمایاں ہوئی وہ رشکِ چہرۂ حور　　سراپا نور مثلِ شعلۂ طور
نزاکت بیچ جیوں نازک پہیلی　　پری لونڈی تھی حور اس کی سہیلی
اسے خورشید کے اوپر شرف ہے　　قمر کے دل میں حسرت کا کلف ہے

کہاں شیریں میں یہ شیریں ادائی ‏ ‏ کہاں لیلیٰ میں ایسی دل رُبائی
کہاں چندربدن میں یہ صباحت ‏ ‏ کہاں ہے ہیر میں ایسی ملاحت
زلیخا میں کہاں یہ حُسن و یہ ناز ‏ ‏ کہاں سلمیٰ کے تئیں یہ طرز و انداز
چھبیلی چھل بلی چنچل پری ہے ‏ ‏ رنگیلی رس میں ڈوبی گُن بھری ہے
سراپا کے کروں میں اس کی تعریف ‏ ‏ کہ "نصف العیش" ہے عشرت کی توصیف

سراپا

بالوں کی ملائمت

یوں بال اُس کے ملائم نرم اچھے ‏ ‏ کہ جیسے قیمتی ریشم کے لچھے
خدا ان کو کرے نہ اب پریشاں ‏ ‏ کہ ہر اک تار اُن کا ہے رگِ جاں

سُلجھانا بالوں کا

سُلجھ گئے شانہ سے وہ بال یک بار ‏ ‏ صبا نے کھول دی سُنبل کے سب تار
وے بال اب شانہ سے جیوں جیوں سُلجھتے ‏ ‏ گرفتاروں کے دل تیوں تیوں اُلجھتے

اُلجھنا کنگھی کا

پھنسا ماروں میں آکر کنکھجورا نہیں شانہ تو ان بالوں میں اُلجھا
کہ ملکِ زنگ میں اٹکا سکندر پھنسی کنگھی ہے یوں بالوں کے اندر

پھیرنا کنگھی کا

پھرے جیوں ملکِ ہندوستاں میں سیاح یہ بالوں میں ہے شانہ کو تو یوں راہ
کہ جیسے شعلۂ جوالہ شب کو نظر آتا ہے پھرتے شانہ سب کو

کرکراٹ کنگھی کی

پھرے ہے شب کو جوں چوری واسطے چور پڑا بالوں میں کنگھی سے بڑا شور
کہ جاتی دور ہے آواز شب کی کھو شانہ رہے چپ مار دبکی

بکھرنا بالوں کا

تو سب دُنیا میں پڑ جاوے اندھاکار کبھی بکھریں اگر یہ بال یک بار
اندھیرا

بکھرتے بال ہیں ایسی ادا سے — گھٹا جیوں درہم و برہم ہوا سے

جوڑا

یہ بالوں کا تو جوڑا کیا بندھا ہے — کونڈالی مار بیٹھا اژدہا ہے
یہ جوڑا جو کہ ہے خوبی میں جیسا — نہ دیکھا غنچۂ سنبل کو ایسا

گوندھنا کلیوں کا

نہیں مو، پھول کی کلیوں سے گوندے — اندھاری کوٹھڑی میں تارے ہوندے
بند کرے
تماشا دیکھ یہ، میں عقل بھولا — عجب ہے موتیا سنبل میں پھولا

پٹیاں بالوں کی

یہ بالوں کی دو پٹیوں پر نظر کر — ہوئی ہے رات دو ٹکڑے برابر
یہ دو پٹیاں عجب ظلمت کی شب ہیں — یہی دو ظاہر اراس و ذنب ہیں
دو ستارے جن کے سبب چاند گہن اور
سورج گہن ہوتا ہے

چکناہٹ

کیا یوں تیل دو پٹیوں کو روشن — کہ جیسے تیلیا ناگن کے دو پھن

عجب کچھ کالی پٹیوں کی جھلک ہے
سلیٹ کی ڈھال پر جیسی چمک ہے

چمچاہٹ

نہیں ہیں تیل سے یہ چکنے سب مو
ملے ہیں سنبل اندر عطرِ خوشبو
پھلیل اب چرب و نرمی کیا دھرے ہے
کہ نرم ان سرکشوں کے تئیں کرے ہے

رشتۂ مو

ہے زرد و سرخ و سبز اب رشتۂ مو
لپیٹے رات سے قوسِ قزح کو
رنگوں کو دے دلِ بے تاب کے تاب
بنائے رشتۂ مو مثلِ خوں ناب

مانگ

ہوئی بالوں میں مانگ ایسی نمودار
کہ جیوں ظلمت میں آبِ خضر کی دھار
ہوا ظاہر یہ خاص و عام اوپر
کہ خطِ استوا ہے شام اوپر

سفیدی مانگ

سفیدی مانگ کی اس طرح جھمکے
جیوں کالے کھیت میں تروار چمکے
تلوار

کہا میں نے غلط یک بارِ سیں ہیں
چلا ہے درمیانِ سنبلِ چیں

موتیوں کی لڑ

کیوں مانگ اس کی میں سلک دُرِ ہیں درخشاں
گویا جمنا کنارے ہے چراغاں
کہا میں نے غلط اس بات کے بیچ
مگر جگنو کی صف ہے رات کے بیچ
نمایاں مانگ میں موتی ہیں سارے
ہوا میں جیوں ہوائی کے ستارے

سُرخی مانگ کی

تُو اوس کی مانگ سرخی سے بھری دیکھ
سیاہی میں پڑی شنجرف کی یک ریکھ
یہ سرخی مانگ میں اوس کی عجب ہے
کہ اب تک ہے شفق اور نیم شب ہے

زردی مانگ کی

یہ زردی مانگ میں اس کی غلط ہے
کسوٹی پر گویا سونے کا خط ہے
خطِ زرد اس کے بالوں میں نظر کر
شہابی تیر ہے بادل کے اندر

پھندار
(ریشمی پھندنا)

نہیں پھندار جعدِ مشک سا میں
ہے بجلی کی چمک کالی گھٹا میں

نہیں پھندار جو بالوں میں ہے تو
پڑا خورشید کا دریا میں پر تو

چوٹی

دلِ عاشق پہ کیا مشکل پڑی ہے
کہ چوٹی ناگنی پیچھے پڑی ہے

یہ ظاہر ہم پہ چوٹی سے ہوئی بات
مقرّر ہے کہ دن کے پیچھے ہے رات

جبھی طلائی

طلائی جبھی چوٹی سے مسلسل
گویا زنجیر سے باندھے ہے مشعل

بہت مشکل ہے پانا اس کو بے رنج
کہ باندھے ہیں گے دُم کو سانپ کی گنج

شانہ

ہے شانہ کو سیانہ کی کرامات
کہ اوس آسیب جاں کی چوٹی ہے ہات (ہاتھ)

یہ شانہ زور گار وڑی بنا ہے (زوردار)
کئی سانپوں کو پنجہ میں لیا ہے

مرزائے بے پروا

چھپک مرزائے بے پروا کی سر پر — گویا عقدِ ثریا پُر ز اختر
نہیں مرزائے بے پروا کو منزل — لٹکتے ہیں پڑے عشاق کے دل

چاند

سہاوے اس طرح الماس کا ماہ — کہ جیسے ماہِ نو ہوتا ہے دل خواہ
حکیم اب چاند یہ گر دیکھ آوے — تو بے شک ماہِ نخشب بھول جاوے
مرے احوال کو تو کان دھر سن — ہوا داغِ جگر اس چاند کا ہین

سیس پھول

بیانِ سیس پھول اب کیونکہ کیجے — مگر خورشید سے تشبیہ دیجے
یہی بات اب مری تمثیل میں ہے — گلِ خورشید آبِ نیل میں ہے
ہے چوٹی ناگ، دو پٹیاں ہیں دو پھن — دیسے ہیں (دکھائی دیتے) سیس پھول اب اس پہ جیوں من

گلِ خوشبو

لٹوں کو ہے گلِ خوشبو سے مہکا — عبیر اندر گویا لوٹے ہیں وو مار

یہ بالوں میں نظر کر غاکِ حمام گھٹا میں گرداب ہے لازم شام

کُھلنا زلف کا

کھلے یوں زلف سر سے ناگہانی گویا اوترے بلائے آسمانی
غلط میں نے کہا لاحول اے دل رسولِ حُسن پہ آیت ہے نازل

بندھنا زلف کا

جو باندھے ہے تو گئی یوں سر پہ چڑھ کر کہ جیسے آہ کا دھواں فلک پر
غلط ہے یوں وہ جاوے ہے شتابی کہ پاکوں کی دعا ہے مستجابی

دَور زلف کا

نہیں چہرہ پہ دو زلف رسا ہیں کہ بیٹھے گنج پر دو اژدہا ہیں
نظر میں جس کی اب زُلفین یہ ہیں یہی کہتا ہے ذوالقرنین یہ ہیں

درازی زلف کی

درازی زلف کی ہے کیا کہوں بات گمزرتی ہے سیہ بختوں کی کب رات
تمام اصلا نہیں یہ خوش بیانی کہاں آخر ہے سانپوں کی کہانی

جمع ہونا عاشقوں کے دِل کا

کئی دل زلف میں ہوتے ہیں تسخیر
مگر عشّاق کے حق میں ہے زنجیر

دہکتے زلف میں دل کے انگارے
اندھاری رات میں چھٹکے ہیں تارے

گھنگرالے

مسلسل اس طرح ہے زلفِ پیچاں
کہ جیسے موج ہے دریا پہ لرزاں

سیہ مستی میں ہیں ازبس کہ خوش حال
مروڑ اندر سدا رہتے ہیں یہ بال

گوشوارہ

نہیں زلفوں میں اوس کی گوشوارہ
پروئے تار میں دِل ہائے پارہ

کہاں ہے لعل کا یہ گوشوار اب
کیا ہے عشقِ پیچاں نے بہار اب

پیشانی کی صافی

جبیں اُوس کی ہے ایسی روشن و صاف
کہ جیوں آئینۂ بلور شفاف

ید بیضا ہے یا ہے لوحِ سیمیں
گلِ مہتاب ہے یا پھول نسریں

چینِ جبیں

نمایاں اس طرح چینِ جبیں ہے — نگیں اوپر گویا نقش نگیں ہے
نہیں ہے چین پیشانی پہ رخشاں — ہوے آئینے کے جوہر نمایاں
کہیں اہلِ سخن یہ چیں جو دیکھیں — یدِ بیضا کے ظاہر ہیں یہ ریکھیں
نظر بھر دیکھ پیشانی کی چیں پر — تبسّم نے گرہ باندھا جبیں پر

عرق

عرق کے قطرے پیشانی پر آئے — بلوریں تختہ پر موتی جمائے
عرق کے قطرے چیچک میں نمودار — نگیں دانِ طلائیں دُرِّ شہوار
عرق کب چہرۂ شفاف پر ہے — کہ عکسِ اشک روئے صاف پر ہے
عرق اوس رخ پہ جو دیکھا کہا یہ — حبابی آئینہ ہے ظاہرا یہ

سُرخی

جبیں میں سُرخی سے خطِ مطوّل — کہ جیسے نقروی تختہ پہ جدول
ورق پر حسن کے منشی نے بے کد — لکھا شنجرف سیتی بھر بدن مد
نمایاں صاف پیشانی پہ یوں گرد — کہ جیسے آرسی اوپر دم سرد
جبیں کی ہوئی بجا گرداب ملازم — کہ آتش کو ہے خاکستر تو لازم

پیوستگی ابرو

یوں پیوستہ ہیں دو ابروئے خوش خم — کہ جیسے دو ہرن لڑتے ہیں باہم
فنِ کشتی میں ہیں از بس دلاور — دو زنگی بچے ٹکرے ہیں برابر

کجی

نہیں ابرو کلیدِ قفلِ دل ہے — ہلالِ عید جس سیتے خجل ہے
کجی ابرو کی جب غصّے سے دیکھے — کماں چڑھتی ہے جیوں آتش کے سینکھے
سینکے

چین

نہیں ہے چین ابرو میں ہویدا — گویا ہے نون میں تشدید پیدا
نہیں ابرو کی بسم اللہ میں چیں — نظر کر دیکھ ہیں دندانہ سیں

بُندی

بھوئوں میں لال بُندی ہے مُنور — گویا سُرخی کا نقطہ بیت اندر
دو ابرو میں نہیں بُندی ہے گلگوں — گرا وہ تیغ سے یک قطرۂ خوں
کہاں ہیں دیکھ وہ بُندی دل جو — یہی ہے شمسۂ (کلس کا سنہری چاند) محراب ابرو
مجھے اس بُندی کے ہونے میں شک ہے — نمایاں شکلِ حسنِ مُشترک ہے

بینہ

دو ابرو میں ہے یوں بینہ کو رونق
طلا سے جس طرح آیت پہ مطلق
دو ابرو میں نہ بینہ جلوہ گر ہے
دیا بیت المقدس میں مگر ہے

تارے ابرو کے

طلائی تارے ابرو میں ہیں رخشاں
کہ جیوں محراب میں روشن چراغاں
نہیں ابرو کے تئیں افشاں کئے ہیں
کبیس ان خنجروں پر مل دئے ہیں

ابرو کا پسینہ

کرے ابرو عرق سے زخم کاری
نہ دیکھی تیغ میں یہ آب داری
عرق اس ابروئے دل خواہ میں ہے
بجا کہتے ہیں امرت ماہ میں ہے

درازی مژگاں کی

یہ مژگانِ دراز و زہری و تیز
برنگِ نشتر فصادِ خوں ریز
یہ مژگاں زور کچھ ہیں فتنہ پرداز (زہریلے)
کھنچے تیز اور سیہ جیوں ناخن باز

وصف مژگاں کی

یہ آفت خیز مژگاں کر تماشا / کہاں ہیں شلک (ہندوؤں کی باڑ) کا ڑوہے یہ گویا

صفِ مژگاں دو فوجِ نیزہ بردار / کئے ہیں حلقہ کر آہو گرفتار

نہیں مژگاں نمازی ہینگے صف وو / امام اب مردمک محراب ابرو

مژگاں کی جھپک

جھپک ہے آنکھ پر مژگاں کی پیدا / گویا بیمار پر کرتے ہیں پنکھا

جھپکتے اس طرح مژگاں کہاں ہیں / جہازِ حسن کے یہ بادباں ہیں

غبار مژگاں کا

غبار آلود مژگاں کاں ہیں خوں ریز / اے دل یہ تیر خاکی ہیں بہت تیز

نہ پوچھ ان کو کہ یہ مژگاں تو کیا ہیں / یہ سوئیاں منترے ہوئیں ظاہر ا...

گویائی آنکھوں کی

سراسر رمز اور ایما ہیں آنکھیں / اشاروں میں بہت گویا ہیں آنکھیں

نہیں یہ چشم و ابرو میں گیا بھول — دھرے ہیں طاق میں دو نرگسی پھول

بند ہونا آنکھوں کا

جو راحت نیند میں پاتے ہیں وہ چشم — کنول کے پھول بن جاتے ہیں وہ چشم
نہ زیر ابرو ہیں آنکھیں خواب کے بیچ — ہرن سوتے ہیں دو محراب کے بیچ

کھلنا آنکھوں کا

اگر مخموری آنکھوں کو جو کھولے — خجل ہو اون سے مرجاویں ممولے
جنہے (جن کو) وہ چشم رشک آہو جگایا — اونے (اس نے) تحقیق کوئی جادو جگایا

اچپلیاں آنکھوں کی

نظر کر ایسی اچپلیاں نین میں — ہرن نے چوکڑی بھولا ہے بن میں
چپھل (چنچل پن) آنکھوں کو اس کی دیکھ اچھی — خجالت سے رہے پانی میں مچھی (مچھلی)

بڑائی آنکھوں کی

بڑی آنکھوں کی اوس کی دیکھ جرأت — بہت ہے نرگس شہلا کو حیرت

نگاہِ لطف اوس آنکھوں سے گر پائیں ہرن آنکھوں سے نذریں پیش کش لائیں

مخموری آنکھوں کی

نشہ اون لال آنکھوں میں رسا ہے گلِ نرگس گلِ لالہ بنا ہے
ہوئی ہیں نشہ سے یوں چشمِ خونیں کہ جیوں شنجرف سے ہے بادام رنگیں

ڈورے آنکھوں کے

نہیں آنکھوں کے ڈورے ریسمے ہیں مگر مستوں کو ریسیوں سے کسے ہیں
غلط ہے دو ہرن جنگل سے پکڑے پھر اون کو ریشمی رسیوں سے جکڑے

سُرخی ڈوروں کی

بیاضِ دیدہ پر ڈورے ہیں کیا لال رگِ یاقوت سے بلور پر جال
عجب ان لال ڈوروں کے ہیں انداز گلِ قدوس پر قدرت سے پرواز

سفیدی و سیاہی آنکھوں کی

سفیدی کچھ نہیں الماس سے کم سیاہی ہے سیہ مانندِ نیلم

سفید اور یہ سیہ جو نہ بناتا تو روز و شب کی قسمیں حق نہ کھاتا

کویہ آنکھوں کے

بحدے سرخ ہیں آنکھوں کے کوئے مگر یاقوت کے ریزے ہیں دھوئے
نہیں ہیں سرخ گو ہیں چشمِ میخوار گزک کرنے رکھا ہے دانۂ تار

نگاہ

نگہ مژگاں کی صف سے یوں ہے راہی کہ جیسے فوج سے یکہ سپاہی
نکلتی ہے نگہ آنکھوں سے ایسی چمک آئینہ سے جاتی ہے جیسی

کجی نگاہ

نگاہِ کج نے سینہ کو گئی چیر کہ چھوٹا بازگشتی جس طرح تیر
نگاہِ کج نے لے دل کا کبوتر کہ شاہیں جس طرح جھپٹے اولٹ کر (الٹ)

اشک

نین میں اشک ہیں ایسے سہانے گلِ نرگس میں جیوں شبنم کے دانے

نہیں آنسو ہیں چشم یار کے نتئیں | عرق ہے ضعف سے بیمار کے نتئیں

مردمک

نین میں جلوہ گر کیا پوتری ہے | نمایاں شیشہ کے اندر پری ہے
وہ چشم سرمئی پتلی کا گھر ہے | سیہ خیمہ میں لیلیٰ جلوہ گر ہے
اگر دریا نہیں آنکھیں تو کیا ہیں | یہ مردم مردم آبی بجا ہیں
نین میں اس طرح پتلی کی صورت | کنھیا کی کنول میں جیسی مورت
بجا ہے چشم کو تشبیہ ماہی | کہ پتلی اس میں ہے یونس کماہی
غلط ان کو کہا یونس پیمبر | فرنگی ہیں یہ مچھلی بندر اندر

سرمہ

نہیں وہ چشم کو سرمہ لگا ہے | گلے بیمار کے گنڈا بندھا ہے
غلط ہے نطق کو سرمہ ہے نقصاں | ہوئی آنکھوں کی گویائی دوچنداں

دُنبالہ

نہیں دنبالہ چشم ناتواں کو | ہرن نے اب نکالا ہے زباں کو

نہیں ہے چشم پر دنبالہ اینچا غضب سے ترک نے خنجر کو کھینچا
یہ ناگن کے ہیں بچے ماں سے ستی ڈر گل نرگس میں اب چھپتے ہیں جاکر

تل آنکھوں کا

سیہ خال آنکھ میں کیا خوشنما ہے کہ جیسے میکدہ میں مغ بچہ ہے
نہیں تل آنکھ میں بے جا ہے مشہور کنول کے پھول میں بیٹھا ہے زنبور
مجھے نقطے سے نصب العین یہ ہے کہ یہ تو عین نہیں ہے غین ہے یہ
بہا جاتا ہے بحر حسن میں دل سویدا اوس کا دستا ہے نہیں تل

بینی

نظر کر دیکھ اس بینی کا تو اوج اوٹھے ہے حسن کے دریا کی یہ موج
وہ بینی کا مکاں عاشق کی جاں ہے الف کو جان میں جیسا مکاں ہے
میری آنکھوں میں بینی بس رہی ہے الف عاشق کے عین آگے یہی ہے
زبس وہ چشم ہیں خونی و قاتل رکھی قدرت نے اون میں حد فاصل

خال بینی کا

تل اوس بینی پہ یوں جلوہ نما ہے خطیب اب منبر اوپر جیوں کھڑا ہے

ہے اوس بینی کے تل پر اب نظر بند   الف کو کر دیا نقطہ نے دہ چند

بلاق

بلاق اوس کے ہیں دُر ہے نور افزا   ہے آویزاں گویا آکاس (آسمان پر چراغ) دِیا
غلط اوس کو دِیا میں نے کہا ہے   قِرانِ مشتری و مہ ہوا ہے
پڑے اوس دُر پہ گر سرخیٔ لب آئے   تو وہ دُر دانۂ یاقوت بن جائے
بلاق اوس رخ پہ یوں لٹکا ہے جا گے   ستارہ صبح کا خورشید آگے

نتھ

کہوں نتھ کا میں کیا شرح بیاں کو   مرصع قفل ہے دُرجِ دہاں کو
یہی کہتے ہیں جو ہیں گے کبت داں (شاعر)   کہ ہیں گے عشق کے تو ہات (ہاتھ) بیناں
اگر یہ نتھ کے تیئں دیکھیں تو یکسر   کہیں اب حسن کے ہے ہات (ہاتھ) چکر

لٹکن و چونی و مروارید

ہے چونی موتی اور لٹکن کا شہرہ   ثریّا مشتری مریخ و زہرہ
گرے شکر پہ لب کی ہو کے بے تاب   چھ شکر خورے دو بط ایک سرخاب

وہ گوش اوس کے مشابہ قیفِ لِ سے
نہایت نرم اور نازک ہیں گل سے

صدف ہیں حسن کے دریا کو یہ گوش
کہ رکھتے ہیں دُرِ یکتا کو یہ گوش

نہیں ہیں گوش، ہیں دو کفۂ زر
کہ تولے ہے سخن کے اوس میں گوہر

کان کا دُر

دُرِ آویزاں ہے ایسا کان کے بیچ
گویا ہے مشتری میزان کے بیچ

صدف کو چھوڑ مروارید گستاخ
کیا سینہ کے اندر اپنے سوراخ

کہ اوس کے کان میں جا گہ کرے گا
نہ جانا تھا کہ یوں لٹکا کرے گا

کرن پھُول

مرصع کان میں اس کے کرن پھول
نگہ کر خواب کو نرگس گیا بھول

کرن پھول مرصع اور کاکل
ہے باہم اشرفی کا پھول سُنبل

سونے کی بالی

فقط زیبا ہے کیا سونے کی بالی
کرن سورج کی خم کر اس میں ڈالی

یہ بالی لاؤبالی اور کچھ ہے | یہ جی کی لینے والی اور کچھ ہے

بناگوش

بناگوش اس طرح اس کا مصفا | کہ جیسے ماہتاب فصل سرما
بھری ہے نور سے صبح بناگوش | صباحت مارتی ہے دم بہ دم گوش
ہزاروں گوہر یکتا کلائی | بناگوشوں کو تب اس کے بنائی

رخسار

اگل رخسار اوس کے تازہ و تر | ملایم صاف رنگین و معطر
قسم مصحف کی یوں رخسار شفاف | کہ جیسے صیقلی آئینہ صاف
کہاں بوسے کو جرأت کیا ہے امکاں | صفائی سے پھسلتی ہے نظر یاں
عرق کے جوش سے رخسار پُر نور | گہر ریزاں برنگ شمع کافور
ملایم نرم و نازک گل کے کردار | عرق کے قطرے جیوں شبنم نمودار
گر آئینہ میں رخ کا عکس پڑ جائے | تو پھر آئینہ سے بوئے گلاب آئے
بنے آئینہ عکس رخ سے جیوں گل | جو دیکھے طوطی اس میں ہوئے بلبل

غازہ

نہیں رخسار پر غازہ دیئے ہیں
طلائے صاف پر مینا کئے ہیں
رخ گل گوں پہ گل گونہ کہاں ہے
گل اوپر خونِ بلبل تہ نشاں ہے

افشاں

چمک افشاں کی اوس رخسار اوپر
خجل ہے دیکھ کر خورشید انور
نہیں اس طرح وہ رخسار رخشاں
کئے ہیں خوش قلم صفحہ پہ افشاں

زلف کا کھلنا رُخ پر

نہیں رخسار پر زلفِ پریشاں
چمن کے بیچ ہے طاؤس رقصاں
نہیں رخسار پر زلفِ معنبر
کہ ہے مشکیں گلالہ شمع اوپر

خال

تل ایسا عارضِ روشن پہ زیبا
دھرے ہے آگ پر اسپند گویا
تل اس رخسار پر ایسا منوّر
کہ جیسا نقطۂ خے لفظ رُخ پر

نہیں ہے خال اس کے رخ پہ پیدا
نگہ کرنے سے یہ کالی ہوئی جا

رخ پر نور میں دستا ہے تل زور
نہیں تل چاندنی کے بیچ ہے چور

لب

لب اس کے سرخ جیوں یاقوت سیر آب
کہاں ہے لعل اور مرجاں کو یہ آب

نظر کر اوس کے وہ یاقوت دنداں
خجالت سے ہوئی ہے سرخ مرجاں

لب صافی پہ کب یہ رنگ پاں ہے
نمایاں عکسِ چشم خوں فشاں ہے

کیا یاقوت خوں اپنے سے تحریر
کلام اللہ دو لب یہ ہی ہے تفسیر

لمیدن، غنچہ کردن، لب گزیدن
تبسّم واشگفتن، بوسہ چیدن

شیرینی لبوں کی

اگر خرما کہوں ان کو بجا ہے
کہ اون کی شیرنی دل کی غذا ہے

زبس ہیں شکریں دو لعل مے گوں
غذا ہے رشک سے طوطی کے تئیں خوں

چسپانی لبوں کی

زبس شیریں ہیں دونوں لب شکر سے
نہیں کھلتے ہیں چسپاں یک دگر سے

یہ دو لب دیکھ کر اکثر سخن ور
یہی کہتے ہیں ہے قندِ مکرّر

خالِ لب

لبِ شیریں پہ تل اس طور مسرور
کہ جیسے شہد پر ہوتا ہے زنبور
لب اوس کے کو دیا یوں زیب تل نے
کہ جیسے لفظِ لب کو نقطۂ بے
پسند ازبس کہ صانع نے کیا ہے
نشانِ جائے بوس اس جا دیا ہے

تب خال

نہیں تب خال اوس یاقوتِ تر پر
حباب آیا ہے آبِ نیشکر پر
غلط اس بات میں میں نے کہا ہے
شہ حُسن اس جگہ خیمہ دیا ہے

سخن

سخن سے اس کے دل کو ہے تسلّی
کہ ہر اک بات ہے مصری کی ڈلی
سخن سنجی میں یوں ہے وہ یگانہ
کہ ہریک حرف ہے موتی کا دانہ

بوسہ

دونوں لعلوں سے اوس کے بوسۂ تر
گویا ہے شربتِ وردِ مکرّر

عقیقوں سے سنا ہوں بُجھتی ہے پیاس   عقیقِ لب سے ہُنھڑ کے بوسے کی آگ

پرنالی

لب بالا کی پرنالی کہاں ہے   یدِ قدرت کی انگلی کا نشاں ہے
الٰہی کس قدر نازک لبی ہے   کہ بارِ دُر سے یہ جلگہ دبی ہے
نہ پرنالی پہ دُر بینی سے لٹکا   کھڑل بتا ہے دل کے پسینے کا
غلط پرنالی کا ہسم کو گماں ہے   نگیں کے واسطے خالی مکاں ہے
گڑھا کھودا ہے صانع نے تو اس جا   کہ من جا کر پڑے بھاں جیسے منجا

دہاں

دہن اوس کا ہے کیا نازک معمّا   مگر اوس کی زباں اوس کو کہے وا
اگر غنچہ کہوں غنچہ کہاں ہے   وگر نقطہ کہوں وہ بھی نہاں ہے
دہن یہ جوہر فرد اب اگر ہے   تو پھر تقسیم سے کیا اس کو ڈر ہے
ہنسی میں اوس کی کیا ہیگی کرامت   کیا ہے جوہر فرد اوس نے قسمت
دہن اوس کو نہیں بے جا بھرم ہے   غلط کہتے ہیں مردم وہ عدم ہے

خوشبوئی

دہن اوس کے میں یوں بوئے قرنفل
گویا غنچہ میں جیسے نکہتِ گل

دنداں

دہن اوس کے میں دنداں یوں ہیں گویا
چھپا ذرہ میں آ عقدِ ثریا
کلی میں قطرۂ شبنم بھرے ہیں
گہر مرجاں کی ڈبی میں دھرے ہیں

صفائی دنداں کی

بہت ہے اوس کے دنداں میں صفائی
جِلا ایسی کہاں ہیرے نے پائی
وہ بتیسی دُرِ دنداں سے پُر ہے
درخشانی میں گویا سلکِ دُر ہے

لعابِ دہن

دہن ہے آبِ حیواں سے بھرا ہوا میاہی
زباں اوس میں ہے جیسے سُرخ ماہی
مثالِ غنچہ وہ نازک دہاں ہے
برنگِ برگِ گل اوس میں زباں ہے

آواز

جنابِ حسن کیا رکھتا ہے اعجاز | کہ برگِ گل میں ہو بلبل کی آواز
دو رنگی اس کی باتوں میں عیاں ہے | مگر برگِ گلِ رعنا زباں ہے

مجموعِ دہن

وہی جانے جو کوئی صاحبِ سخن ہے | دہن کے بیچ اس کے نورتن ہے
مسی، نیلم۔ زمرّد بیڑۂ پاں | سخن دُر، دو نو لب یاقوت و مرجاں
زباں ہے لعل اور الماس دنداں | لہسنیہ اور پکھراج اوس پہ میخاں

دشنام و سلاست

زباں سے گالیاں اس طور ریزاں | کہ جیوں گل ریز ہوتی ہے گل افشاں
سلاست زور ہے اوس کی زباں میں (زیادہ) | روانی یہ کہاں آبِ رواں میں

میخانِ دنداں

دو میخ زرد دنداں پر ہیں قائم | فلک پر جس طرح دو قطب دائم

دو دنداں پر دو میخِ زر برابر
قرانِ زہرہ و برجیس یکسر

مسّی

زباں بھی آبِ حیواں سے بھری ہے
کہ یہ ظلماتِ مسّی کی دھڑی ہے
اگر مسّی لگا پانوں کو کھاوے
دہن کو غنچۂ لالہ بناوے

تبسّم

ہنسی مسّی میں بجلی ہے گھٹا میں
تبسّم موج ہے آبِ بقا میں
اگر مسّی پہ ٹک وہ پان کھاوے
صفِ عشاق پر شب خوں ہی آوے

دنداں کی چمک مسّی میں

وہ دنداں یوں مسّی اندر نمایاں
شبِ تاریک میں روشن چراغاں
وہ دنداں مسی میں ہیں ہیں چمکتے (نہیں)
اندھیرے گھر میں آئینے جھلکتے

زنخ

زنخ اس کے میں بے حد ہے حلاوت
کہاں یہ سیب نے پائی لطافت

زنخ دیکھے گر اوس سروِ سہی کا | نہ دیکھے پھر کبھی بھی رُو بہی کا
زنخ کی چاہ میں آبِ بقا ہے | کہ مُردہ دل کو بوس اوس کا دوا ہے
زنخ کا چاہ اوس کے دیکھ دل خواہ | نہیں عاشق کو ہے کوثر کی اب چاہ
زنخ پر خال کب جلوہ نما ہے | بلال اب چاہِ زمزم پر کھڑا ہے
زنخ کی چاہ کا ہاروت ہے دل | بھرا ہے سحر سے یہ چاہِ بابل
سُنا ہوں میں چہِ نخشب میں ہے ماہ | نہ دیکھا ہے کسی نے ماہ میں چاہ
چہِ کنعاں ہے یہ چاہِ زنخداں | کہ یوسف سا پڑا ہے آ کے دل یاں

غبغب

قیامت غبغب اوس کا خوش نما ہے | ترنج اب سیم سادہ سے بنا ہے
کہے گر سیم اوس سے ہو زیادہ | کہوں کیا اوس کو وہ ہے خام سادہ

گردن

لکھوں کس طور سے تعریفِ گردن | عمودِ صبح کے مانند روشن
جو کوئی دیکھا ہے اس گردن کی تصویر | غزالوں کی رکھا گردن پہ شمشیر

بہت شفاف جیوں مینائے بلور — نہایت صاف جیسے شمع کافور

زیور

نمایاں ایسے موتی ہیں گلے میں — ستارے جیسے دارو کے نلے میں
گلے کے بیچ زیبا آرسی ہے — بہت مشکل سے وہ دل پر بسی ہے
زمرد پاس کندن کی جھلک ہے — گویا سبزہ پہ جگنوں کی چمک ہے
نہیں ظاہر یہ مروارید کا ہار — ہوئے ہیں شمع کے قطرے نمودار
نظر کر اوس کے چندن ہار کے پھول — ملاگیر اپنا چندن لے گیا بھول
الجھ کر ہار جاوے گر کہیں ٹوٹ — رہے یوں جس طرح سے پھلجھڑی چھوٹ

پان کا پیک

گلے سے رنگ پاں ایسا نمودار — گہر کے بیچ جیسے ریشمی تار
نمایاں یوں گلے سے پان کا پیک — کہ شیشے سے مئے گلگوں کی جیوں لیک

ساعد

نگاریں ساعد اوس کا جیوں سمن ہے — لطافت بیچ گویا نسترن ہے
وہ ساعد دستہ سیمیں سے نہادہ — بلور اور عاج سے صافی زیادہ

نازکی ہاتوں کی

نہایت وہ حنائی ہات نازک گل مہندی کے جیسے پات نازک
خدا شاہد، ید بیضا ہے وہ ہات دلوں کو موم اب کرتا ہے وہ ہات

پہنچی

بجا پہنچی نے پہنچی نام پائی پہنچ وہ ہات اپنے ہات لائی
طلائی تار کب ہے نورتن میں پڑے ہیں تارے سورج کی کرن میں

سرخی پنجہ

وہ پنجہ پنجۂ مرجاں سے رنگیں وہ پنجہ غنچۂ خنداں سے رنگیں
چنار اب دیکھ وہ پنجہ حنائی دعا دینے کو ہات اپنا اوٹھائی

سنائی

وہ پنجہ پر نزاکت ختم ہے بس سنائی کے ہے دیوان کا مخمس

مرے تئیں پنجتن کی ہے یہ سوگند
جو اس خمسہ اس پنجہ میں ہے بند

حنا

کہاں طاقت کہوں مہندی کی جو بات
مگر لوہو سے اپنے دھوؤں میں ہات
حنا جب ہات کو اپنے لگاوے
ہتیلی پر ہمیں جنت دکھاوے

ملائمت ہتیلی کی

کفِ دست اوس کے عاشق کے دل و جاں
ملایم اس طرح چاندی کے جیوں پاں
ہتیلی لوحِ سیماب مانند
ملایم ہے گلِ مہتاب مانند

ہتیلی کی ریکھاں

ہتیلی بیچ اس کے یوں سرا ریر
کہ ہر یک خط رگِ گل کی ہے تصویر
زبس چوٹی کے بالوں کو دیا بل
نزاکت سے ہتیلی میں اوٹھے ذل

انگلیاں

ہر یک اُنگلی تو چنبے کی کلی ہے
ملایم سیم کی جیسی پھلی ہے

وہ ناخن آئینہ مانند روشن | حنا کا رنگ یوں جیوں عکسِ گلشن

مچھلی

حنا کی مچھلیوں کا دیکھ مضموں | مرا دل اب ہے غرقِ لجۂ خوں
ہتیلی بیچ ماہیٔ حنا ہے | شفق میں ماہِ نو جلوہ نما ہے

سینہ

میں جب بلور کی تختی بناؤں | پھر اب روپے (چاندی) کو حل کر آب لاؤں
قلم اپنا کروں الماس شفاف | لکھوں تب اوس کے میں سینے کے اوصاف
وہ سینہ صفحۂ نسریں سے بہتر | حریر اور پرنیانِ چیں سے بہتر
نمایاں سینے میں جوشِ ملِ سرخ | کہ جیوں شیشہ کے قلیاں میں گلِ سرخ

سینے کا سانس

وہ سینے میں ہے سانس اس طور پیدا | کہ جیسے ریگ شیشہ سے ہویدا

پستان

وہ پستاں دو انارِ نو رسیدہ | وہ پستاں غنچہ ہائے نو دمیدہ

سبو دو سیم سادہ کے دھرے ہیں
پھر اس کے بیچ امرت کو بھرے ہیں
وہ پستاں اس طرح اوس کے بنے ہیں
دو شاہ حسن کے تنبو تنے ہیں
بہت کچھ اینٹھ سے ہیں وہ پھر یرے
نہایت گدگدے گورے کریرے
دو پستاں نہیں ہیں سر اوٹھائے
حباب اب شیر کے دریا پہ آئے
سر پستاں نہیں اس کے ہیں کالے
فرنگی دو ہیں کالی ٹوپی والے
اگر کوئی ہات کو اون پر پھراوے
تو موتی چور کے لڈو سے پاوے

خراش ناخن

خراشِ ناخن انگیا میں ہے زیبا
مہ نو جیوں شفق کے بیچ پیدا
نہیں چھاتی پہ نکھ ریکھا کبھی ہے (ناخن کی لکیر)
کلی میں چونچ بلبل کی چبھی ہے

شکم

شکم یوں نرم جیسے نرم مخمل
ملایم یوں ملایم جیسے ململ
مصفا چشمہ سیماب مانند
ملایم قاقم و سنجاب مانند
بہت آب بقا اس میں ملائے
خمیرہ موتیوں کا تب بنائے

گلائے چاند کی چاندی کئی بار — بنائے تب شکم یوں صاف ہموار

روماول

روماول دیکھ میں نے جی گنوایا — کہ اس چینی میں شاید بال آیا

(ناف کی لکیر) یہ سیمیں تختہ پر لے خامۂ نو — مصوّر نے کیا پرواز نیکو

تو اوس سینہ پہ روماول نظر کر — نکل آئے ہیں آئینہ پہ جوہر

یہ روماول نہیں ہے یہ نہیں ناف — نکل بانبی سے یہ ناگن چلی صاف

روماول کا عبث کو یاں گماں ہے — کہ اس کا سانس سینے سے عیاں ہے

ناف

نہیں یہ ناف ہیگا یہ چکا بو — نہیں یہ ناف ہے گرداب جادو

کلی ہے اوکھلی یا نافۂ مشک — کہ خوں آہو کا جس کے اشک سے خشک

میاں میں ناف یوں رکھتی ہے تعلیم — کمر میں جس طرح ہے حلقۂ میم

غلط میں نے کہا کھا پیچ یکسر — گرہ آئی کمر کے مو کے اندر

کمر

جو کوئی کہتے ہیں مثلِ مو کمر ہے — تو آنکھوں میں انوں کے مو مگر ہے (ان)

کمر اوس کے تئیں کب ہے کہاں ہے   عدم ہے ہیچ ہے یا کچھ گماں ہے

کمر کا کس قدر نازک ہے یہ مو   نگاہِ گرم سے کھاتا ہے بل کو

کمر میں سانس لیتی یوں لہکا ہے   صبا سے شاخِ گل میں جیوں لچکا ہے

کمر ظاہر ہے سو یہ کچھ بیاں ہے   نہاں جو چیز ہے سو تو نہاں ہے

مکانِ نہاں

شکم دریا ہے ناف اس میں ہے گرداب   تلے اوس کے عجائب چاہِ سیماب

قلم غواص ہو کے غوطے کھایا   پر اوس کے تھاہ کو اصلا نہ پایا

وہاں غواص جا لیتا ہے سیماب   یہاں غواص آ دیتا ہے سیماب

یہی کہتا ہے جو نازک بیاں ہے   مسافر واسطے تہہ گردہ ناں ہے

مسافر جگ میں ہے ناں کھانے والا   مسافر نان کا یاں ہے نوالا

یہ کوچہ دل کشا ہے اور گل تنگ   مسافر پر نہایت راہ یہ تنگ

کبھی بار اس میں جا جا پھیر آوے   گھر اپنی گرہ کا بھی گنوا دے

تراشے ہیں دو الماسوں کو خوش خم   گویا چھیلے ہیں دو بادام توام

ہے خرما کا یہ خستہ یا ہے گندم   سمن کے برگ پہ آہو رکھا سم

عرب کہتے ہیں گندم کا ہے بدنام — ہوئی یاں صورتِ معنی سرانجام

سُرین

ورق روپے (چاندی) کے پارے میں ملائے — سُرین دو کوہ سے اس کے بنائے

ہوا جیوں موم گل کر نقرۂ خام — سُرین تب اس طرح پائے سرانجام

تعجب ہے نظر کو جستجو سے — لٹکتے کوہ ہیں دو ایک مو سے

ساق

دو ساق اوس کے ہیں دو ماہی سقنقور (مچھلی کی ایک قسم) — صفائی بیچ جیسے شمع کافور

نپٹ کیلے کے گالے سے ملائم — ستوں دو سیم کے گویا ہیں قائم

بلور اور عاج و مرمر سے ہے ہموار — لطافت بیچ سیم دست افشار

نمایاں پشتِ پا سے نقشِ قالیں — فرنگی آئینے سے باغ رنگیں

پشت پا

لطافت ہے زبس اوس میں ہویدا — حنا تلوے کی پشتِ پا سے پیدا

کفِ پا

کفِ پا پر حنا نیں اوس کے ظاہر
بہار آکر ملی ہے پانوں پر سر

خرام

خرام اوس کے ہیں کیا پیاری لٹک ہے
کہ جیوں موتی کے دانے میں ڈھلک ہے

چلے جس وقت فرشِ چاندنی پر
بنے نقشِ قدم سے بوٹے یکسر

نظر کر فیل وہ رفتار چالاک
سر اوپر ڈالتا ہے اب تلک خاک

قدِ زیبا کی دیکھ اوس کے روانی
چھپا ظلمت میں آبِ زندگانی

نظر کر چال وہ غصّے کے مارے
حسد سے کبک کھاتا ہے انگارے

تذرو اب دیکھ کر وہ قد و رفتار
کیا ہے جا کے جا گہ اپنی کہسار

صدائے پا بلند اصلا نہیں ہے
روانی جان کی ظاہر کہیں ہے

نقشِ قدم

ارے دل یاں ذرا آرام تو پا
کہ یہ نقشِ قدم راحت کی ہے جا

بیان پوشاک

ہیں عریاں اب کیا تعریف اوس کی کروں پوشاک کی توصیف اوس کی
یہی کہتے ہیں جو ہیں عاشق پاک کہ یک نور آدمی سو نور پوشاک
یوں عریانی سے ایسے نور میں غرق کہ جیسے آفتاب خسروِ شرق

سوسنی

جو پہنے سوسنی پوشاک بے شک تو سوسن کو کرے اپنی کنیزک

گلابی

گلابی جب لباس اپنا کرے ہے تو بلبل اوس پہ صدقہ ہو مرے ہے

سیم گوں

لباسِ سیم گوں میں حسن کا جوش پری گویا ہوئی ہے آئینہ پوش

آسمانی

اگر پہرے قبائے آسمانی تو ہو جاوے بلائے آسمانی
پہنے

سُرخ

لباسِ سرخ زیبا ہے فراواں
شفق سے مہر ہے دست و گریباں

کیسری

ہنسی کیوں کر نہ ہو یاقوتِ تر میں
کہ ہےگی کیسری پوشاک بر میں

گلگوں

اگر پہرے کبھی پوشاکِ گلگوں
تو بلبل کا جگر ہووے وہیں خوں

زری

کبھی پہرے اگر پوشاکِ زر کو
تو ہوئے برق کا برقع قمر کو

صندلی

اگر پوشاک پہنے صندلی وو
تو گھیریں سانپ اس کو پاکے خوشبو

بسمتی

لباس بسمتی کا کیا بیاں ہے
یہاں نورٌ علیٰ نور اب عیاں ہے

سیاہ

سیہ پوشاک اوس نازک ادا پر — گویا ظلمات ہے آب بقا پر

گلناری

بدن پر یوں تو گلناری ہے ملبوس — دھرے ہیں شمع پر جیسے سرخ فانوس

بسنتی

بسنتی پوش ہو کر گر چمن آئے — ترُبی کے کھیت میں بے شک وہ چھپ جائے

اگر وہ آپ کو رنگ میں چھپاوے — بدن کی اوس کے سوندھی بو بتاوے

سفید

لباس اُجلے میں وہ نازک بنی ہے — گویا پونوں [پونم] کا چاند اور چاندنی ہے

فاختہ

لباس فاختہ گر وہ پہر [پہن] آئے — تو اوس کا سرو پھر بندہ ہی کہلائے

سرمئی

لباسِ سرمئی میں زور ہے زور — تجلی کا بجا مورد ہے گہ [کوہ] طور

نباتی

مناسب تو نباتی پیرہن ہے　　کہ اب ننگِ نبات اوس کا بدن ہے

کاہی

لباس کاہی اب دل بند ہیگا　　کہ گل کو کاہ سے پیوند ہیگا

نیلگوں

لباس نیلگوں میں ہے پکارا　　کنول نیلاب (آب نیل) میں ہے آشکارا

نافرمانی

نہ ہووے کیوں نہ نافرمانی پوشاک　　کہ نافرماں پری میں ہے وہ چالاک

حنائی

حنائی پوش ہو جو ہووے نمودار　　سراپا پر حنا تب جاوے بلہار
حنا طورِ خوشامد خوب پائی　　کہ پہلے پانوں پڑا اس کو منائی

ملاگیری

ملاگیری (صندلی) لباس اپنا کرے گر — دماغِ جاں وہیں (فوراً) ہووے معطر

کبودی

کبودی رنگ ہے پوشاک زیبا — کبودی آسماں پہ ماہ پیدا

طوسی

اگر طوسی لباس اپنا وہ بنوائے — نصیر الدین طوسی کی خرد جائے

سبز

وہ سیمیں تن پہ زیبا سبز پوشاک — زمرد کے تلے جیوں نقروی ڈاک
لباسِ سبزہ میں جلوہ ہے یعنی — یہی ہے سبز تہہ گلگوں کے معنی

زرد

لباس زرد میں گر جلوہ فرمائے — یقیں سونے کی پتلی وہ تو بن جائے
جو کوئی دیکھے تو جاوے ہوش کو بھول — کہے سورج مکھی کا یاں اُگا پھول

شربتی

لباس شربتی گر وہ بنا وے تو خسرو اپنی شیریں بھول جاوے

امرسی

پسند اوس کو لباسِ امرسی ہے کہ وہ تو رنگ اور رس میں لسی ہے

مشکیں

کریں مشکیں لباس اپنا پیارے بنے آہوئے مشکیں اس تتارے

اگرئی

لباسِ اگرئی زیبا فراواں اگر ہے قوتِ دل اور قوتِ جاں

آفتابی

لباس آفتابی تب ہے منظور کہ ہیگا آفتاب آسا اوسے نور

عباسی

اگر پوشاک عباسی کرے وو — گل عباس چھوڑے رنگ اور بو

جوزی

لباس جوزی اب پہرے (پہنے) تو صد حیف — رہے کیا جوز میں کیفیتِ کیف

نارنجی

اگر پوشاکِ نارنجی پہر (پہن) آئے — جھلک اپنی ذرا خوبوں کو دکھلائے
زلیخا طور محبوبانِ افرنج (افرنگ) — تو اپنے ہات کاٹیں جائے نارنج

بنفشی

بنفشئی پوش اگر وو خوش ادا ہوئے — بنفشہ رشک سے جل کر ویلا (کوئلہ) ہوئے

پستئی

لباس پستئی کا گر کرے مول — کھسانا (کھسیانا) ہو کے پستہ موں (منہ) رکھے کھول

بادامی

کرے پوشاک اگر بادام کے رنگ بکے بادام کو یہ نام و یہ رنگ

بوقلموں

لباس چھینٹ بوقلموں اگر ہے تماشا زور تب مدِّ نظر ہے
ہوا ہیگا کئی رنگوں کا یاں میل پڑا ہے حسن کے دریا میں کیا تیل

بہاری

بہاری رنگ اگر پہرے وہ پوشاک لگے دل کیا بہارِ باغ سے خاک

ابری

اگر پوشاک ابری پہنے تن میں چمک بجلی کی ہووے جیوں کالے گھن میں

کاکریزی

لباسِ کاکریزی گر ہو مرغوب دھریں گے شمع کو در پردہ خوب

بعد اظہار قیافہ بیان مقصود

قیافہ میں کہا ہے بو علی یہ — مسلم جس کو رکھتے ہیں کہ دمہ
ہوئے جس بیچ یہ شکل و شباہت — اسے تو حسن کی ہے بادشاہت
وہی ہے پدمنی بے شبہ پہچان — کہ ہر یک عضو ہو اس لطف کا کھان
مفصل اب سنو میرے سے احوال — کہ ہوں اس فن میں میں تو واقفِ حال
نہ ہو افراط اور تفریط کو جا — کہ حدِ اعتدال اس میں ہے اولا
یہ چاروں ہوں سیہ کاجل کے تمثال — مژہ اور مردمک اور ابرو و بال
یہ چاروں سرخ ہوں یاقوت ترتیب — بُنِ دندان و رخسار و لبِ جیب
یہ چاروں ہوں سفیدی میں بہت طاق — بیاض چشم و دنداں بشرہ اور ساق
یہ چاروں گرد ہوں اور خوب روشن — سر اور پستان و ساعد اور گردن
یہ چاروں ہوں درازی میں علم زن — قدم مژگاں و سر کے بال و گردن
یہ چاروں ہوئیں باریک اور نیکو — دو لب اور انگلیاں بینی و ابرو
یہ چاروں ہوئیں خوشبو گل کے عنواں — دہن بینی بغل اور بیخ دوراں
یہ چاروں ہوئیں فراخ اور صاف نیکو — دو چشم و سینہ پیشانی و پیڑو

یہ چاروں تنگ ہوں غنچہ کے عنواں
مکان خاص و بینی ناف اور کاں

یہ چاروں گدگدے ہوں اور بے مو
کفل دوران دو ساق اور بازو

سبھی یہ خوبیاں اوس میں ہو پیدا
کیا قدرت سے حق نے آپ پیدا

کرو احوال پر میرے ترحم
کرو تدبیر میرے درد کی تم

تمھارے بن نہیں کوئی یار دمساز
تمھارے بن نہیں کوئی محرم راز

کرو یاری کہ ہے یاری کا ہنگام
قیامت میں نہیں آتا کوئی کام

میں وہ آہو کہ یکسر شکل رم تھا
چمکتا اور بچکتا دمبدم تھا

کھڑکتا تھا کہیں بھی ٹک اگر ذرا بات
تو وھاں سے بھاگتا تھا میں کہی ہات

سو ایسا آ کے پھاندے میں پھنسا ہوں
نپٹ بے بس ہوں اور مو کشاں ہوں

تڑپتا ہوں نکل سکتا نہیں ہوں
سسکتا ہوں سنبھل سکتا نہیں ہوں

ذرا گرمی میں دم بھر ہانپتا ہوں
تنک سردی میں تھر تھر کانپتا ہوں

میں وہ وحشی مزاج اور سیم بر تھا
کہ عالم میرا مشتاق نظر تھا

جو کوئی گرمی سے ہوتا مجھ سے ہم راز
تو میں سیماب سا کرتا تھا پرواز

سو ایسا عشق کی آتش سے جل کر
بنا ہوں مشت خاکستر سراسر

کنول ہوں لیک پانی سے میں ہوں دور
غزالہ ہوں ولے زخموں سے ہوں چور

اگرچہ مہر ہُوں پہ رنگ ہے زرد — اگرچہ ماہ ہُوں پہ دل میں ہے درد
اگرچہ شمع ہوں میں انجمن میں — ولے آتش لگی ہے جان وتن میں
سنا میں اس شکرلب سے جو یہ حال — کہا میں عاشقی ہے جی کا جنجال
منم عاشق مرا غم سازوار است — تو معشوقی ترا با غم چہ کار است
عجب کچھ ہے جنابِ عشق کا رنگ — نہیں ہے صلح یہاں ہے سربسر جنگ
گل اس گلزار کا نیں ہے بجز غم — کہ نخل اس باغ کا ہے نخلِ ماتم
عجب کچھ ہے چراغِ عشق کا نور — کہ روغن اس کے تئیں ہے خونِ منصور
عجب کچھ ہے یہ دشتِ عشق جاں کاہ — دہانِ مار میں جاتی ہے یہ راہ
قدم رکھنا یہاں تو سخت ہے کام — کہ ہے ہر اک قدم پر چاہ اور دام
یہ مے کس طور ہے غارت گرِ ہوش — دو عالم ایک جرعہ میں ہے خاموش
عجب کچھ عشق کا نادر ہے جادو — کہ ہوتا شیر ہے تسخیرِ آہو
بھلا تو جو قدم اوس میں رکھا ہے — رکھے جو تابتی سے تو بجا ہے
جہاں میں کوئی مشکل تو نہیں ہے — کہ فضلِ حق ستی حل وو نہیں ہے
یہ مشکل سے نہ ہو تو اب ہراساں — کرے ہے حق کرم سے اپنے آساں
چمن میں جو ہوا غنچہ ہویدا — نسیمِ فضلِ حق سے وو ہوا وا

ولے ہمت پکڑ دل کو قوی کر — خدا کے فضل کے اوپر نگہ دھر

نہ ہو محروم فضلِ حق سیتی تو — نہیں تو نے سُنا لَا تَقنَطُو کو

صبوری کو ٹنک سا کام فرما — کہ گزرے رات اور دن ہوئے پیدا

خدا کے فضل پہ دل رکھ کے محکم — کروں ہوں سعی جب تک دم میں ہے دم

اگر ہووے پری رہووے فلک پر — کروں اوس کے تئیں پل میں مسخر

مجھے اوس کا بتا نام اور نشاں تو — دکھا دے میرے تئیں اوس کا مکاں تو

سُنا جب یار نے میرے سخن کو — ہوا ناچار بھر لایا نین کو

نہ تھے وہ اشکِ خونیں سُرمہ آلود — کہ اس کی آنکھوں میں ہوتے تھے موجود

فرنگی تھے گویا چشموں میں لڑتے — کہ ٹوپی کالی ہے اور لال کرتے

کہا اس وقت میں میرے سے یہ بات — کہ صد افسوس اور صد حیف ہیہات

بڑی مشکل تو یہ ہی ہے بیاں سے — کہ میں واقف نہیں نام و نشاں سے

کہا میں نے کہ میں کس طور پاؤں — نہیں پتا میں کیونکر ڈھونڈھ لاؤں

ہزاروں خوب رو ہیں شہر اندر — خدا جانے کہاں تیرا ہے دلبر

میں ناواقف وہ دلبر بے نشاں ہے — کسے پوچھوں کدھر جاؤں کہاں ہے

رسول اللہ مگر اب لطف فرمائیں — میں ناواقف ہوں مجھ کو راہ بتلائیں

بھلا تو ابتدا سے تو کہو بات — کہ شاید کچھ سررشتہ بھی لگے ہات
کہا وہ مہ جبیں نے مجھ سے اوس آن — کہ کہتا ہوں مفصّل تم رکھو دھیان
چمن کے بیچ میں پھرتا تھا دل شاد — نظر کرتا تھا ہر جا سرو و شمشاد
ہر یک جاگہ میں آنکھیں سینکتا تھا — چمن میں آتشِ گل دیکھتا تھا
کہ ایسے میں سواری ہوئی نمایاں — مکلّف رتھ نہایت صاحبِ شاں
جو کوئی رتھ کے تئیں کہتے ہیں گردوں — یہ رتھ کا ظاہرا دیکھے نہیں موں
غلط کہتے ہیں وہ گردوں سے چو چند — یہ چاروں پایہ اوس کے چار ہیں چند
ذرا تو شان و شوکت کیجیے غور — فلک کو ایک ثور اوس کو ہیں دو ثور
غرض وہ رتھ چمن کے صحن میں آ — ہوا جب جلوہ گر اور رونق افزا
کنیزیں اہتمامی بن گئیں سب — چمن میں حکم یہ نافذ ہوا تب
کہ نرگس آنکھیں اپنی بند کر لے — گل اپنے بلبلوں کے تئیں اوڑا دے
نکالے باغ سے سب کے پکڑ ہات — رہا نہیں باغ میں جز پھول اور پات
چمن سے میں بھی نکلا ہو کے ناچار — لگا تب جھانکنے سوراخ دیوار
کہ اتنے میں وہ رتھ سے نیچے اتری — میں یوں جانا کہ چمکی آگے بجری
نگاہیں جب گھڑی اس سے ہوئیں چار — جگر سے برچھیاں جیوں ہو گئیں پار

سراپا پر مجھے اوس کے نظر تھی ‏ ‏ ‏ سراپا کی نہیں اپنے خبر تھی

مری سد بد ہوئی اوس دم فراموش ‏ ‏ ‏ گرا دیوار کے سایہ میں بے ہوش

یہاں تک میں پڑا وہاں ہوش کو کھو ‏ ‏ ‏ نہیں معلوم کب وہاں سے گئی وہ

حواس اور ہوش میرے کب رہے تب ‏ ‏ ‏ کہ پوچھوں نام اور اوس کا نشان سب

وہاں سے اوٹھ کے اپنے گھر کو آیا ‏ ‏ ‏ نگاہیں گھر میں جی ادھر کو آیا

سنا جس وقت اس سے میں نے یہ بات ‏ ‏ ‏ کہا میں کھوج پائے کچھ لگا ہات

تو اپنے دل کے تئیں مت کر پریشاں ‏ ‏ ‏ کہ کچھ تو ڈھونڈھنے کی رہ ملی یاں

سحر کے تئیں میں تجھ کو ساتھ لے کر ‏ ‏ ‏ پھروں ہوں کوچہ کوچہ اور گھر گھر

جہاں تک شہر میں گھر ہیں پھراؤں ‏ ‏ ‏ جہاں تک رتھ ہیں سب تجھ کو بتاؤں

وہ رتھ میرے تئیں پہچان کر کہہ ‏ ‏ ‏ پھر آگے میں ہوں اور تدبیر صد رہ

اگر میں خوب اوسے پہچان لیتا ‏ ‏ ‏ تجھے تکلیف پھرنے کی نہ دیتا

کروں کیا میں نہیں پہچانتا ہوں ‏ ‏ ‏ ترے بن اور کو کب جانتا ہوں

نظر گویا کو ناظر کو بیاں نیں (نہیں) ‏ ‏ ‏ زباں کو آنکھیں آنکھوں کو زباں نیں

کروں گا سو طرح کی اس کی تدبیر ‏ ‏ ‏ نہ ہوگی مجھ سے تا مقدور تقصیر

کہ مجھ کو تیرے سے ہے بھوت الفت (بہت) ‏ ‏ ‏ عجب کچھ تجھ سے رکھتا ہوں محبت

ترے بن دیکھے چین اصلا نہیں ہے — زباں پر بات کچھ ہے دل کہیں ہے

اگر دن ہے تو تیری فکر میں ہے — اگر شب ہے تو تیرے ذکر میں ہے

کبھی مل کر جو دو کرتے ہیں کلمات — میں سُنتا ہوں کہ شاید ہو تری بات

اگر خوباں کا کوئی کرتا ہے مذکور — میں سُنتا ہوں یہی رکھ دل میں منظور

کہ شاید اس میں اب نکلے ترا نام — سنے سے جس کے دل کو ٹک ہو آرام

کسی کے پاؤں کی ہوتی ہے آہٹ — سمجھتا ہوں کہ تو آیا ہے جھٹ پٹ

جدائی میں تری بے تاب ہوں میں — مثال ماہی بے آب ہوں میں

تری تصویر میرے روبرو ہے — مری آنکھوں میں نت (ہمیشہ) موجود تو ہے

ترے رہنے سے کھاری اشک ہیں پر زور — کہ پانی چاہ کا بستی سے ہے شور

ادھر ٹک دھیان دے تجھ سے کہوں بات — کہ بہلے دل ترا اور یہ کٹے رات

نقل

گدازادہ جواں یک چار ابرو — نہایت خوش زباں خوش وضع خوش خو

قد و قامت میں موزوں مثل شمشاد — نپٹ (بہت) دل چسپ جیسا سرو آزاد

برہنہ سر ہمیشہ مہر کردار — کہ کب خورشید ہے محتاج دستار

گلے میں خرقۂ چھینٹِ ہزارہ — گلِ صد برگ سا صد پارہ پارہ
ہر یک جا شہر میں کرتا ہوا سیر — کہ ہر یک گھر سے تھا وہ طالبِ خیر
دونوں آنکھوں کے اپنی کاسہ کر ٹھیک — ہر یک جا حسن کی وہ مانگتا بھیک
کہ دیکھا یک بیک یک بام اوپر — کھڑی ہے یک پری رو ماہ پیکر
نگہ سے اوس پہ جادو پھینکتی ہے — جسے مشتاق اپنا دیکھتی ہے
کرشمے کا لگاتی ہے اسے تیر — جسے جانے ہے وو شایانِ نخچیر
گدا زادہ جو دیکھا یہ شمائل — ہوا تیغِ نگہ کا اس کی گھائل
پچھاڑی کھا کے حیرت سے گرا یاں — گرا جس وقت میں اتنا کہا ہاں
یہ سر ہے اور یہ سنگِ آستاں ہے — مرا تو کعبۂ مقصد یہاں ہے
کیا جب عشق نے اس کا پچھوم — ہوا خلقِ خدا کا اوس پہ جھومر (جمگھٹا)
کوئی کہتا کہ شاید کیف کھایا — کوئی کہتا کہ فاقہ ضعف لایا
کوئی کہتا کہ دیکھو نبض اوس کی — کوئی کہتا نظر لاگی ہے کس کی
کوئی کہتا کہ کچھ لوؤں کا اثر ہے — کوئی کہتا مگر جن کا گزر ہے
غرض ہر کوئی موافق عقل اپنی — لگا تدبیر کے تئیں اس کے جتنی (پہچان)
کہ اتنے میں یک اوس کا یارِ محرم — وہاں گزرا یہ دیکھا حالِ ہمدم

بہت غم اس کی اوس حالت پہ کھایا
اوٹھا کھاندے (کندھے) پہ اپنے گھر کو لایا

ترحم کر کے احوالِ زبوں پر
گلاب لطف چھڑکا اوس کے موں (منہ) پر

سہر رشتہ سے بات آہستہ کھولا
دلاسے سے دل اوس کا لے کے بولا

کہ اے یار اب مرے سے بات سچ کہہ
قسم ہے سر کی تو مجھ سات (ساتھ) سچ کہہ

چھپانا یار سے یاری نہیں ہے
یہ کچھ شرطِ وفاداری نہیں ہے

مرے سے سانچ (سچ) کہہ مت کر پس وپیش
زمن مرہم رسانیدن ز تو ریش

گدازادہ نے سن یہ حرفِ محرم
کہا احوال آنکھیں کر کے پُرنم

سُنا جب یار نے احوال اوس کا
مصیبت اور وو (وہ) جنجال اوس کا

کہا بے اختیاری سے ارے یار
ہوا تو سخت پھاندے (پھندے) میں گرفتار

نظر آئی تجھے جو ماہِ پیکر
یہاں کے شاہ کی ہے وو تو دختر

ہزاروں شاہزادے ہیں طلبگار
کہ ہم کو اب ملے یہ دُرِّ شہوار

تو اپنے کو نظر کر اور اوس کو
فراست سے تنک (ذرا) کر غور اوس کو

گدا سے شاہ کے تئیں کیا ہے نسبت
کہاں خورشید سے ذرّہ کو وصلت

کہیں ہے بادلہ کو ٹاٹ پیوند
کہیں بھی ہے صدف ہیرے سے دلبند

یہ دُنیا ہے جو صورت باندھ آئے
ترے دل کے تئیں ایسا لُبھائے

یہ وہ ہیگی عجوزہ سخت بدکار — کہ ہیں اوس کے ہزاروں سے طلبگار
اسے کس سے وفاداری نہیں ہے — طلب میں اوس کے جز خواری نہیں ہے
اسے محنت سے اپنے ہات لانا — پھر اب حسرت سے دم میں چھوڑ جانا
سراسر اس کی الفت میں خلل ہے — مرا اس بیت کے اوپر عمل ہے

"نباید بست اندر چیزے کے دل
که دل بر داشتن کاریست مشکل"

گدازادہ نے سُن اوس کی یہ تقریر — کہا یھاں کام آتی نیں ہے تدبیر
نصیحت اب تری ہے نقش برآب — نہیں دستارہائی کا کچھ اسباب
کہاں ہے عاشقوں کو عقل سے کام — بغیر از وصلِ دلبر کب ہے آرام
کہا یہ بات اور گھبرا اُٹھا وو — چلا فریاد کرتا سیل سا وو
گیا واں جس جگہ تھا اُس کا مقصود — ہوا جیوں حلقۂ در، در پہ موجود
خبرداروں نے تب ہو کر خبردار — کہے شہ سے کہ اے شاہ جہاندار
فقیر یک خانماں آوارہ مدہوش — بگولے کی طرح سے خانہ بردوش
درِ دولت سرا مسکن کیا ہے — نہیں کچھ ظاہر اوس کا مدّعا ہے
اگر آوے وزیر اُس پاس یک دم — کہے گا راز شاید جو ہے مبہم

کہا شہ نے کہ اے شانِ وزارت — فقیروں پاس جانا ہے سعادت
ثواب خدمت میں اون کی اس گھڑی جا — کہے وہ جو کہ حاجت اپنی بر لا
غرض آیا وزیر اس باولے پاس — کہا اُس سے کہ اے سلطانِ افلاس
کہو مجھ سے ترا کیا مدعا ہے — ہمارا بادشاہ حاجت روا ہے
گدا نے سُن کے دلداری کا آواز — کہا دستور سے جو دل میں تھا راز
وزیر نیک دانش نیک تدبیر — کہ جالینوس جس سے تھا سبق گیر
بچارا دل میں کیا تدبیر کرتا — گدا کو قتل بے تقصیر کرتا
نہیں یہ شرط دینداری کی مطلق — کہ ہو یک بے گنہ کا خونِ ناحق
مگر اُس کے تئیں فرہاد کردار — کہ کھینچے کوہ سا یک کارِ دشوار
کہ تا رہوے ہمیشہ اوس میں حیراں — نہایت کے تئیں دے خود بخود جاں
کہ جیسے طور سے فرہادِ ناداں — سر اپنا پھوڑ آخر کو دیا جاں
دیوانوں کا تو دل ہے ہات کے بیچ — بہلتا ہے ذرہ سی بات کے بیچ
وزیر القصہ خنداں ہو گدا سات — کہا بہتر ہے اس سے اور کیا بات
کیا چاہے ہے تو شاہوں سے پیوند — کرا دل اپنے تئیں کو شاہ مانند
بہم پہنچا تو کتنے دُرِ شہوار — کہ ہووے شاہ کی دختر کو یک ہار

ولے دُرِّ یتیم اور سب ہوں یکساں — سبھی یک دانہ ہوں اور دُرِّ غلطاں
بہم پہنچا تو اتنا ہار و یہاں آ — پھر اور اسباب سب ہیگا مہیا
گدا نے تب کہا سچ ہے اگر بات — تو میرے ہات پر اب مار تو ہات
وزیر اس امر کے تئیں بوجھ دشوار — کہ ممکن نیں گدا کے تئیں ملے ہار
کیا عہد اور کہا جا تو شتابی — تلاش اُس کی میں کر تو اضطرابی
وزیر ایدھر اُٹھا یہ بات کہہ کر — گدا اودھر اُٹھا ہیہات کہہ کر
چلا دریا طرف مانند سیلاب — وہاں آلودہ کف سے اور بے تاب
گیا ساحل پہ جا دریا کے بیٹھا — توکل کر خدا پر جا کے بیٹھا
لیا ہاتھوں میں اپنے پیالہ وو دو — لگا دریا اولچھنے کے تئیں وو
اولچھتا تھا کبھو دریا کا پانی — کبھی کہتا تھا دل سیتے نہانی

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

غرض تھا رات دن اُس کا یہی کام — نہ تھا یک ساعت اُس کے تئیں کو آرام
کبھی پیالوں سے پانی پھینکتا تھا — کبھی غصے سے دریا دیکھتا تھا
کبھی دریا پہ وو آہوں کو بھر کے — کہ شاید اس ہوا سے آب سوکھے

جہاں کا تھا سرا وپر اس کے انبوہ — جو کوئی پوچھے کہ کیا ہے تجھ کو اندوہ

کہے تھا جب کروں گا بحر خالی (سمجھتا تھا) — نکالوں گا میں دریا سے لآلی (موتی)

غرض دو سال کھینچا وہ مشقت — نہ دن کو چین تھا نے شب کو راحت

کیا افضال حق نے جوش ناگاہ — کہ ہے لاتقنطو من رحمت اللہ

بہ شکل آدمی دریا ہوا ظاہر — لے آیا جو کے تھے اوس میں جواہر

کہا لے جو کہ ہووے تجھ کو درکار — کہ امرِ حق سے ہے میرا یہ اظہار

گدا لے تو دہ تودہ دُرِ خوش آب — لیا مقصد کا اپنے دُرِ نایاب

غرض رنج و مصیبت کس کی (کسی) اصلا — نہیں ضائع کرے ہے حق تعالیٰ

اصل قصہ

ہوئی جس وقت ہیں یہ بات آخر — ہوا دن اور ہوئی تب رات آخر

ہوا اوس اوس طرف کو میں بھی راہی — دیا جس جس طرف دل نے گواہی

تلاش اب گھر بہ گھر کر رتھ کو پایا — پھر اُس کے میں نے رتبان (رتھبان) کو بلایا

ہزاروں مکر کرا اور کر کے افسوں — کیا رتبان سے دریافت مضموں

کشش سے اُس کی یا کوشش سے میرے — غرض اتری پری وو اس کے ڈیرے

خدا شاہد کیا لاکھوں سی تدبیر | کیا تب اوس سراپا رم کو تسخیر
برس بھر میں نے خونِ دل جو کھایا | تب ایسا بے بہا یاقوت پایا
نظر کرتا مری محنت جو فرہاد | مرے پانوں پہ گرتا یوں ہی استاد
ہزاروں منتر اور جنتر بتائے | کئی قبریں کئی مرگھٹ جگائے
بزرگوں کی نیازیں کتنے مانے | منائے کتنے سیانے اور دیوانے
توقع سیکڑوں کو سیکڑوں کی | کسی بالے کسی کے تئیں کروڑوں کی
غرض کیا کیا ہیں اے دیوانے | پڑے جس پر سو وہ یہ بات جانے
چنانچہ اب تلک مسرور ہیں وہ | ہمیشہ جے کشتی میں چور ہیں وہ
مرے احوال کی کس کو ہے پروا | کہاں وہ الفتِ سابق ہے ہرجا
جہاں سے کیا وفاداری کی امید | غلط یاروں سے ہے یاری کی امید
بدن جو زندگی سے ہے مرے سات | میں خدمت گاری میں اوس کی ہوں دن رات
تو آخر کے تئیں وہ بھی جدا ہے | مگر قائم وہی ذاتِ خدا ہے
کیا دلدار نے تو بے وفائی | ولے ہرجا ہے میری آشنائی
یہ ہرجائی کہ باشد شاد باشد | زیادہ بندہ کو آزاد باشد
اے صاحب مختصر کر اب سخن کو | برنگ غنچہ موندا اپنے دہن کو

مخاطب اند کے نازک مزاج است / سخن کم گو کہ کم گفتن رواج است

ہزار اور ایک سواسی ہیں اور آٹھ / کہ باندھا اس عمارت کا تو میں ٹھاٹھ

مرے خاطر میں آئی یہ کہانی / کہوں تا سنگ دل ہو سن کے پانی

رہے دنیا میں مجھ سے یادگاری / کرم مجھ پہ کرے خلّاق باری

سراپا کی مجھے تھی فکر منظور / ہوئی ضمناً کہانی یہ بھی مذکور

سراپا میں بہت میں خون کھایا / تب ایسے معنئ نایاب پایا

کیا معنئ تازہ میں نے ایجاد / سُنا جس نے کہا اے آفریں یاد

لیا میں اور بھی مضمون رنگیں / کہے ہیں جو کہ استادانِ پیشیں

ولیکن خال خال اور بہوت نادر / کہ ہوں ایجادِ مضموں پہ تو قادر

ہوا جس وقت میں اتمام اس کا / رکھا "تصویرِ جاناں" نام اس کا

"شہیدِ ناز" جب مل جائے اس سے / سنہ ہجری کو تب تو پائے اس سے

ارے ساقی شرابِ ناب کو دے / بہا میں اس کے یہ ہوش و خرد لے

یہاں تک مست کر اور مجھ کو حیراں
کہ دیکھوں جام میں تصویرِ جاناں

تمام شد

مطبوعہ

اعجاز مشین پریس چھتہ بازار

حیدرآباد دکن